



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة الجمع (62)

آیت نمبر (1 تا 8)

ترکیب

(آیت-1) اَلْمَلِكِ سے اَلْحَكِيمِ تک سارے اسماءِ اللہ کی صفت ہونے کی وجہ سے حالت جَر میں ہیں۔ (آیت-3) وَاٰخِرِيْنَ گزشتہ آیت میں فِي الْاُمَمِيْنَ کے فِي پر عطف ہونے کی وجہ سے حالت جَر میں ہے۔ (آیت-6) باب تفاعل میں فعل ماضی میں جمع مذکر غائب کا صیغہ اور فعل امر میں جمع مذکر مخاطب کا صیغہ، دونوں ہم شکل ہو جاتے ہیں۔ یہاں فَتَمَتُّوْا باب تفاعل سے ہے اور بظاہر اس میں بھی دونوں امکان ہیں لیکن آیت کی عبارت صاف بتا رہی ہے کہ یہ فعل ماضی نہیں ہے بلکہ فعل امر ہے۔

ترجمہ

اَلْمَلِكِ	وَمَا فِي الْاَرْضِ	مَا فِي السَّمٰوٰتِ	يُسَبِّحُ لِلّٰهِ
جو بادشاہ ہے	اور (ہر) وہ چیز جو زمین میں ہے	(ہر) وہ چیز جو آسمانوں میں ہے	تسبیح کرتی ہے اللہ کی
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ	فِي الْاُمَمِيْنَ	هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ	الْعَزِيْزِ
ایک ایسا رسول ان میں سے جو	ان پڑھ لوگوں میں	وہ ہے جس نے بھیجا	بالادست ہے
الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ	وَيُعَلِّمُهُمُ	وَيُزَكِّيْهِمْ	يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ
اس کتاب (قرآن) کی اور دانائی کی	اور تعلیم دیتا ہے ان کو	اور تزکیہ کرتا ہے ان کا	پڑھ کر سنا تا ہے ان کو اس کی آیتیں
لَبٰٓئًا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ط	وَ اٰخِرِيْنَ مِنْهُمْ	لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ	وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ
ابھی تک نہیں ملے ان سے	اور کچھ ایسے دوسرے لوگوں میں ان میں سے جو	یقیناً ایک کھلی گمراہی میں	اور بیشک وہ لوگ تھے اس سے پہلے
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝	مَنْ يَّشَآءُ ط	يُؤْتِيْهِ	ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ
اور اللہ بڑے فضل والا ہے	اس کو جسے وہ چاہتا ہے	وہ دیتا ہے وہ (فضل)	یہ اللہ کا فضل ہے
يَحْمِلُ اَسْفَارًا ط	كَمَثَلِ الْجِبَارِ	ثُمَّ لَمْ يَجْعَلْهَا	حُمُلًا التَّوْرٰتِ
جو اپنے اوپر لادتا ہے کچھ کتابیں	اس گدھے کی مثال کی مانند ہے	پھر انہوں نے نہیں اٹھایا اس کو	اٹھوانی گئی تورات
الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝	وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي	كَذٰبًا ۗ اٰيٰتِ اللّٰهِ ط	مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ
ظلم کرنے والے لوگوں کو	اور اللہ ہدایت نہیں دیتا	جھٹلایا اللہ کی نشانیوں کو	اس قوم کی مثال جنہوں نے
مِنْ دُوْنِ النَّاسِ	اَنْكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ	اِنْ زَعَمْتُمْ	هٰذَا
(دوسرے) لوگوں کے بجائے	کہ تم لوگ دوست ہو اللہ کے	اگر تم کو زعم ہے	یہودی ہوئے
بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيْدِيْكُمْ ط	اَبَدًا	وَلَا يَتَمَتُّوْا	اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۙ
بسبب اس کے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے	کبھی بھی	اور یہ تمنا نہیں کریں گے اس کی	اگر تم لوگ سچ کہنے والے ہو



وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ⑥	قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي	تَفَرُّونَ مِنْهُ	فَأَنَّهُ مُلْقِيكُمْ
اور اللہ جاننے والا ہے ظالموں کو	آپ کہیے بیشک وہ موت	تم لوگ بھاگتے ہو جس سے	تو یقیناً وہ ملاقات کرنے والی ہے تم سے
ثُمَّ تُرَدُّونَ	إِلَىٰ عَلَيْهِ الْعُيُوبُ وَالشَّهَادَةُ	فِي يَدَيْكُمْ	بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ⑦
پھر تم لوگ لوٹائے جاؤ گے	شہادہ اور غیب کے جاننے والے کی طرف	پھر وہ جنٹا دے گا تم کو	وہ، جو تم لوگ کیا کرتے تھے

نوٹ: 1

آیت -2- میں لفظ اُمِّیْنِ بنی اسمعیل کے لیے ایک امتیازی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ یہ اصطلاح اگرچہ یہودی وضع کردہ تھی جس میں ان کے اندر کے مذہبی پندار کی جھلک بھی تھی اور اہل عرب کے لیے ان کا جذبہ تحقیر بھی نمایاں تھا۔ لیکن بنی اسمعیل چونکہ کتاب شریعت سے نا آشنا تھے اس لیے بغیر کسی احساس کمتری کے انہوں نے اس لقب کو اپنے لیے خود بھی اختیار کر لیا پھر جب قرآن نے ان کے لیے اور ان کی طرف مبعوث ہونے والے رسول کے لیے اس لفظ کو ایک امتیازی صفت کے طور پر ذکر کیا تو اس کا رتبہ انتہائی بلند ہو گیا اور جن کو ان پڑھ اور گنوار کہہ کر حقیر ٹھہرایا گیا تھا وہ تمام عالم کی تعلیم و تہذیب پر مامور ہوئے اور جن کو اپنے حامل کتاب و شریعت ہونے پر ناز تھا وہ کَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا کے مصداق قرار پائے (تدبر قرآن)۔

لفظ اُمِّیْنِ کی یہ وضاحت میں نے جب ایک بہت پڑھے لکھے دانشور کے سامنے کی تو وہ چپک کر بولے کہ آج ہم بھی تو اُسی گدھے کی مانند ہیں۔ ہم حامل قرآن ہیں لیکن ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ اس میں کیا ہے۔ میں نے کہا آپ کی بات جزوی طور پر تو درست ہے لیکن کلیتاً درست نہیں ہے۔ پوچھا وہ کیسے۔ میں نے کہا کہ اس گدھے کی مثال ہمارے دانشوروں پر تو صادق آتی ہے لیکن علماء کرام پر صادق نہیں آتی۔ پھر ان کے مہذب ہونے کی قلعی کھل گئی۔ (مرتب)

نوٹ: 2

آیت -3- میں آخِرِیْنِ کے عطف میں دو قول ہیں۔ بعض نے اس کو اُمِّیْنِ پر عطف قرار دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بھیجا اللہ نے اپنا رسول امین میں اور ان لوگوں میں جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ یہاں ان میں بھیجنے سے مراد ان کے لیے بھیجنا ہے کیونکہ لفظ فی عربی میں اس کے معنی کے لیے آتا ہے اور بعض نے آخرین کا عطف یُعَلِّمُهُمْ کی ضمیر منصوب پر مانا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ تعلیم دیتے ہیں۔ امین کو بھی اور ان لوگوں کو بھی جو ابھی ان کے ساتھ نہیں ملے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ سورہ جمعہ آپ پر نازل ہوئی اور آپ نے ہمیں سنائی۔ ہم نے عرض کیا کہ یہ کون لوگ ہیں جن کا ذکر آخرین کے لفظ سے کیا گیا ہے۔ آپ نے اپنا دست مبارک حضرت سلمان فارسی پر رکھ دیا اور فرمایا کہ اگر ایمان ثریا کی بلندی پر بھی ہوگا تو ان کی قوم کے کچھ لوگ وہاں سے بھی لے آئیں گے۔ (معارف القرآن)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ محمدؐ کی رسالت صرف عرب قوم تک محدود نہیں ہے بلکہ دنیا بھر کی ان دوسروں قوموں اور نسلوں کے لیے بھی ہے جو ابھی آکر اہل ایمان میں شامل نہیں ہوئی ہیں مگر آگے قیامت تک آنے والی ہیں۔ اس میں لفظ مِنْهُمْ (ان میں سے) کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دوسرے لوگ اُمِّیْنِ میں سے، یعنی دنیا کی غیر اسرائیلی قوموں میں سے ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ وہ محمدؐ کو ماننے والے ہوں گے جو بعد میں آکر شامل ہوں گے۔ اس طرح یہ آیت مجملہ ان آیات کے ہے جن میں تصریح کی گئی ہے کہ رسول اللہ کی بعثت تمام نوع انسانی کی طرف ہے اور ابد تک کے لیے ہے۔ قرآن مجید کے دوسرے مقامات جہاں اس مضمون کی صراحت کی گئی ہے یہ ہیں۔ الانعام -19، الاعراف -158، الانبیاء -107، الفرقان -1، سبأ -28، (تفہیم القرآن)



آیت نمبر (9 تا 11)

860

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ	مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ	فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ
اے لوگو جو ایمان لائے	جب پکارا جائے نماز کے لیے	جمعہ کے دن میں سے	تو تم لوگ لپکو اللہ کی یاد کی طرف
وَ	ذُرُّوا	ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ	إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ①
اور	تم لوگ چھوڑ دو	یہ بہتر ہے تمہارے لیے	اگر تم لوگ جانتے ہو
فَأَنْشُرُوا فِي الْأَرْضِ	وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ	وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا	لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ②
تو تم لوگ منتشر ہو جاؤ زمین میں	اور تلاش کرو اللہ کے فضل میں سے (روزی)	اور ذکر کرتے رہو اللہ کا کثرت سے	شاید کہ تم لوگ مراد پاؤ
وَإِذَا رَأَوْا	تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا	انْفَضُّوا إِلَيْهَا	وَتَرَكَوْكَ قَائِمًا ③
اور جب وہ دیکھتے ہیں	کوئی تجارت یا تماشہ	تو بکھر جاتے ہیں اس کی طرف	اور چھوڑ جاتے ہیں آپ کو کھڑا ہوا
قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ	مِّنَ اللَّهِو وَمِنَ التِّجَارَةِ ④	وَاللَّهُ خَيْرٌ الرَّزِيقِينَ ⑤	
آپ کہیے جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے	تماشے سے اور تجارت سے	اور اللہ رزق دینے والوں کا بہترین ہے	

نوٹ: 1

جمعہ کے دن کو یوم جمعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے اجتماع کا دن ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اس دن کو یوم عربہ کہا جاتا تھا۔ سب سے پہلے عرب میں کعب بن لوی نے اس کا نام جمعہ رکھا۔ قریش اس دن جمع ہوتے اور کعب بن لوی خطبہ دیتے تھے۔ یہ واقعہ رسول اللہ کی بعثت سے پانچ سو ساٹھ پہلے کا ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت میں بھی بت پرستی سے بچایا اور توحید کی توفیق عطا فرمائی۔ انہوں نے نبی کریم کی بعثت کی خوشخبری بھی لوگوں کو سنائی تھی۔ (معارف القرآن)

اسلام سے پہلے ہفتہ کا ایک دن عبادت کے لیے مخصوص کرنے اور اس کو شعار ملت قرار دینے کا طریقہ اہل کتاب میں موجود تھا۔ یہودیوں نے اس غرض کے لیے سبت (ہفتہ) کا دن مقرر کیا تھا کیونکہ اس اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دی تھی۔ عیسائیوں نے اپنے آپ کو یہودیوں سے ممتاز کرنے کے لیے اپنا شعار ملت اتوار کا دن قرار دیا۔ اگرچہ اس کا کوئی حکم نہ حضرت عیسیٰؑ نے دیا تھا نہ انجیل میں کہیں اس کا کوئی ذکر آیا ہے۔ لیکن عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ صلیب پر جان دینے کے بعد حضرت عیسیٰؑ اسی روز قبر سے نکل کر آسمان کی طرف گئے تھے۔ اس بنا پر بعد کے عیسائیوں نے اسے اپنی عبادت کا دن قرار دے لیا اور پھر ۳۲۱ء میں رومی سلطنت نے ایک حکم کے ذریعے سے اس کو عام تعطیل کا دن مقرر کر دیا۔ اسلام نے ان دونوں ملتوں سے اپنی ملت کو ممتاز کرنے کے لیے یہ دونوں دن چھوڑ کر جمعہ کو اجتماعی عبادت کے لیے اختیار کیا۔

جمعہ کی فرضیت کا حکم نبیؐ پر ہجرت سے کچھ پہلے مکہ میں نازل ہو چکا تھا لیکن اس وقت آپؐ اس پر عمل نہیں کر سکتے تھے کیونکہ مکہ میں کوئی اجتماعی عبادت ادا کرنا ممکن نہ تھا۔ اس لیے آپؐ ان لوگوں کو جو پہلے ہجرت کر کے مدینہ پہنچ چکے تھے، یہ حکم لکھ بھیجا وہاں جمعہ قائم کریں۔ چنانچہ ابتدائی مہاجرین کے سردار حضرت مصعب بن عمیرؓ نے ۱۲۔ آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں پہلے جمعہ پڑھا۔ اس سے بھی پہلے مدینہ کے انصار نے بطور خود آپس میں یہ طے کیا تھا کہ ہفتہ میں ایک دن مل کر اجتماعی عبادت کریں گے۔ اس غرض کے لیے انہوں نے یہودیوں کے سبت اور عیسائیوں کے اتوار کو چھوڑ کر جمعہ کا دن انتخاب کیا اور پہلا جمعہ حضرت اسعد بن ذرارہ نے بنی یاضہ کے علاقے میں پڑھا جس میں چالیس



آدمی شریک ہوئے۔ رسول اللہؐ نے ہجرت کے بعد اولین کام کیے ان میں جمعہ کی اقامت بھی تھی۔

”اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو“۔ ”خرید و فروخت چھوڑ دو“۔ یہ حکم قطعی طور پر نماز جمعہ کے فرض ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی تائید بکثرت احادیث کرتی ہیں جن میں رسول اللہؐ نے سخت ترین تاکید کی ہے اور اسے صاف صاف الفاظ میں فرض قرار دیا ہے۔ (ہم یہاں پر صرف ایک حدیث نقل کر رہے ہیں۔ مرتب)۔ حضورؐ نے فرمایا: آج سے لے کر قیامت تک جمعہ ہم لوگوں پر فرض ہے۔ جو شخص اسے ایک معمولی چیز سمجھ کر یا اس کا حق نہ مان کر اسے چھوڑے، خدا اس کا حال درست نہ کرے، نہ اسے برکت دے۔ خوب سن رکھو اس کی نماز نماز نہیں، اس کا روزہ روزہ نہیں، اس کی کوئی نیکی نیکی نہیں جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے۔ پھر جو توبہ کر لیں اللہ اسے معاف فرمانے والا ہے۔ البتہ آپؐ نے عورت، بچے، غلام، مریض، اور مسافروں کو اس فرضیت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ قرآن وحدیث کی انہی تصریحات کی وجہ سے جمعہ کی فرضیت پر پوری امت کا اجماع ہے۔

آیت۔ 10۔ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد زمین میں پھیل جانا اور رزق تلاش کرنا ضروری ہے بلکہ یہ ارشاد اجازت کے معنی میں ہے جیسے سورہ نساء میں ایک سے زائد نکاح کی اجازت فانكحوا ما طاب لكم کے الفاظ میں دی گئی ہے۔ یہاں اگر چه فانكحوا فعل امر ہے مگر کسی نے بھی اس کو حکم کے معنی میں نہیں لیا جی۔ اس سے یہ اصولی مسئلہ نکلتا ہے کہ صیغہ امر وجوب ہی کے معنی میں نہیں ہوتا بلکہ کبھی یہ اجازت اور کبھی استحباب کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ یہ بات قرآن سے معلوم ہوئی ہے کہ کہاں یہ حکم کے معنی میں ہے اور کہاں اجازت کے معنی میں اور کہاں اس سے مراد یہ ہوئی ہے کہ اللہ کو ایسا کرنا پسند ہے۔ لیکن یہ مراد نہیں ہوتی کہ یہ فعل فرض یا واجب ہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگرچہ یہودیوں کے سبت اور عیسائیوں کے اتوار کی طرح قرآن میں جمعہ کو عام تعطیل کا دن قرار نہیں دیا گیا ہے لیکن اس حقیقت سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا کہ جمعہ ٹھیک اسی طرح مسلمانوں کا شعار ملت ہے جس طرح ہفتہ اور اتوار یہودیوں اور عیسائیوں کے شعار ملت ہیں۔ اگر ہفتہ میں کوئی ایک دن عام تعطیل کے لیے مقرر کرنا تمدنی ضرورت ہو تو جس طرح یہودی اس کے لیے فطری طور پر ہفتہ کو اور عیسائی اتوار کو منتخب کرتے ہیں اسی طرح مسلمان اس غرض کے لیے جمعہ کو ہی منتخب کرے گا بلکہ عیسائیوں نے دوسرے ایسے ملکوں پر بھی اپنے اتوار مسلط کرنے میں تامل نہ کیا جہاں عیسائی آبادی آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھی۔ یہودیوں نے جب فلسطین میں اپنی ریاست قائم کی تو اولین کام جو انہوں نے کیا وہ یہ تھا کہ اتوار کے بجائے ہفتہ کو چھٹی کا دن مقرر کیا۔ تقسیم سے پہلے ہندوستان میں برطانوی ہند اور مسلمان ریاستوں کے درمیان نمایاں فرق یہ نظر آتا تھا کہ ملک کے ایک حصے میں اتوار کی چھٹی ہوتی تھی اور دوسرے حصے میں جمعہ کی۔ البتہ جہاں مسلمانوں کے اندر اسلامی حس موجود نہیں ہوتی وہاں وہ اپنے ہاتھ میں اقتدار آنے کے بعد بھی اتوار کو سینے سے لگائے رہتے ہیں، جیسا کہ ہم پاکستان میں دیکھ رہے ہیں بلکہ اس سے زیادہ جب بے حس طاری ہوتی ہے تو جمعہ کی چھٹی منسوخ کر کے اتوار کو چھٹی رائج کی جاتی ہے۔ (تفہیم القرآن۔ ج 5۔ ص 493 تا 498 سے ماخوذ)۔

نوٹ: 2

آیت۔ 11۔ میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو جمعہ کا خطبہ چھوڑ کر تجارتی کام کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ امام ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب نبی کریمؐ خطبہ جمعہ نماز جمعہ کے بعد دیا کرتے تھے جیسا کہ عیدین میں اب بھی یہی معمول ہے۔ ایک جمعہ کے روز یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر رسول اللہؐ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک قافلہ مدینہ کے بازار میں پہنچا اور اس کا اعلان ہونے لگا، اس وقت نماز جمعہ سے فراغت ہو چکی تھی، خطبہ ہو رہا تھا۔ بہت سے صحابہ کرامؓ بازار چلے گئے اور آپؐ کے ساتھ تھوڑے سے حضرات رہ گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مدینہ میں اشیاء ضرورت کی کمی اور سخت مہنگائی تھی۔ اول تو نماز فرض ادا ہو چکی تھی۔ خطبہ کے متعلق یہ معلوم نہ تھا کہ جمعہ میں وہ بھی فرض کا جز ہے، دوسرے اشیاء کی گرانی، ان اسباب کے تحت صحابہ کرامؓ سے یہ لغزش ہوئی۔ اسی پر عار دلانے اور تنبیہ کرنے کے لیے آیت مذکورہ نازل



ہوئی اور اسی کے سبب سے رسول اللہ نے خطبہ کے معاملے میں اپنا طرز بدل دیا کہ نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دینے کا معمول بنا لیا اور یہی اب سنت ہے۔ (معارف القرآن بروایت ابن کثیر)

6860

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة المنافقون (63)

آیت نمبر (1 تا 8)

س ن د

(ن) سُنُوْدًا بھروسہ کرنا۔ سہارا لینا۔

(تفعیل) تَسْنِيْدًا مضبوط کرنا۔ سہارا دینا

مُسْنَدًا اسم المفعول ہے۔ سہارا دیا ہوا۔ زیر مطالعہ آیت۔ 4

ترکیب

(آیت۔ 1) عام قاعدہ یہ ہے کہ اِنَّ جملہ کے شروع میں آتا ہے اور اَنَّ جملہ کے درمیان میں آتا ہے۔ اس کا یا کہ استثناء ہم پڑھ چکے ہیں کہ قَالَ یا اس کے مشتقات سے شروع ہونے والے جملوں کے درمیان میں اِنَّ آتا ہے لیکن ایسی صورت میں اِنَّ کے معنی ”پیشک“ نہیں بلکہ ”کہ“ ہوتے ہیں، (دیکھیں آیت نمبر۔ 2/ البقرة: 25، نوٹ: 2)۔ اب آیت زیر مطالعہ میں اس قاعدے کا دوسرا استثناء آیا ہے۔ اس آیت میں نَشَهُدُ۔ يَعْلَمُ اور يَشْهَدُ تینوں افعال کے بعد اِنَّ کے بجائے اَنَّ آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خبر پر اگر لام تاکید آ رہا ہو تو پھر جملے کے درمیان میں اَنَّ کے بجائے اِنَّ آتا ہے اور ایسی صورت میں بھی اس کا ترجمہ ”کہ“ ہی کیا جاتا ہے۔ (آیت۔ 4) فعل ماضی کبھی خبریہ کے بجائے دعائیہ بھی ہوتا ہے جیسے یہاں قَاتَلْتَهُمْ دعائیہ ہے۔ اردو محاورہ کی وجہ سے دعائیہ افعال ماضی کا ترجمہ اردو کے فعل امر غائب سے کیا جاتا ہے۔ (دیکھیں آیت۔ 2/ البقرة: 72، نوٹ: 2)

ترجمہ

اِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ	قَالُوْا	نَشٰهَدُ اِنَّكَ	لِرَسُوْلِ اللّٰهِ	وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
جب آتے ہیں آپ کے پاس منافق لوگ	تو وہ کہتے ہیں (کہ)	ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ	یقیناً اللہ کے رسول ہیں	اور اللہ جانتا ہے
اِنَّكَ لِرَسُوْلِهِ	وَاللّٰهُ يَشْهَدُ	اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ	اِتَّخَذُوْا اٰيْمٰنَهُمْ	
کہ آپ یقیناً اس کے رسول ہیں	اور اللہ گواہی دیتا ہے	کہ منافق لوگ یقیناً جھوٹے ہیں	انہوں نے بنایا اپنی قسموں کو	



جَنَّةٌ	فَصَدُّوا	عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ط	إِنَّهُمْ	سَاءَ مَا	كَانُوا يَعْمَلُونَ ①
ایک ڈھال	پھر وہ روکتے ہیں (لوگوں کو)	اللہ کے راستے سے	بیشک وہ لوگ (ہیں کہ)	برا ہے وہ جو	ریلوگ کرتے رہتے ہیں 6860

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ	أَمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا	فَطَبَعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ	فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ①
یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ	ایمان لائے پھر انہوں نے انکار کیا	تو ٹھپہ لگا دیا گیا ان کے دلوں پر	نتیجہً وہ سمجھتے نہیں ہیں

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ	تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ط	وَإِنْ يَقُولُوا	تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ ط	كَانَهُمْ
اور جب کبھی آپ دیکھتے ہیں ان کو	تو دلکش لگتے ہیں آپ کو ان کے جسم	اور اگر وہ لوگ کہتے ہیں (کچھ)	تو آپ سنتے ہیں ان کی بات کو	جیسے کہ وہ لوگ

حُشْبٌ	مُسْتَدَاكٌ ط	يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ	عَلَيْهِمْ ط	هُمُ الْعَدُوُّ
ایسی موٹی لکڑیاں ہیں جو	ٹیک دی ہوئی ہیں	وہ لوگ گمان کرتے ہیں ہر چنگھاڑ کو	اپنے پر ہی (پڑنے والی)	وہ لوگ ہی دشمن ہیں

فَأَحْذَرَهُمْ ط	فَتَأْتَهُمُ اللَّهُ ن	أَنْ يُوَفَّكَونَ ①	وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ	تَعَالَوْا
تو آپ محتاط رہیں ان سے	ہلاک کرے ان کو اللہ	کہاں سے پھیر دیئے جاتے ہیں	اور جب بھی کہا جاتا ہے ان سے	تم لوگ آؤ

يَسْتَغْفِرُ لَكُمْ	رَسُولُ اللَّهِ	لَوْ أَرَاءَ وَسْهُمْ	وَرَأَيْتَهُمْ يَصْذُونَ
تو مغفرت مانگیں گے تمہارے لیے	اللہ کے رسول	تو وہ لوگ مہکتے ہیں اپنے سروں کو	اور آپ دیکھتے ہیں ان کو روکتے ہوئے

وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ②	سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ	أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ
اس حال میں کہ وہ بڑائی چاہنے والے ہوتے ہیں	برابر ہے ان پر	خواہ آپ استغفار کریں ان کے لیے

أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط	كُنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ط
یا آپ استغفار نہ کریں ان کے لیے	ہرگز معاف نہیں کرے گا اللہ ان کے لیے (ان کے گناہوں کو)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي	الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ①	هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ	لَا تُنْفِقُوا عَلَيَّ مَنْ
بیشک اللہ ہدایت نہیں دیتا	نافرمانی کرنے والی قوم کو	وہ لوگ ہی وہ ہیں جو کہتے ہیں	تم لوگ خرچ مت کرو ان پر جو

عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ	حَاشَى يَنْفِضُوا ط	وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ	وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ②
اللہ کے رسول کے پاس ہیں	یہاں تک کہ وہ لوگ منتشر ہو جائیں	حالانکہ اللہ ہی کے ہیں آسمانوں اور زمین کے خزانے	اور لیکن منافق لوگ سمجھتے نہیں ہیں

يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا	إِلَى الْمَدِينَةِ	لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَدُّ	مِنْهَا الْأَذَلَّ ط
وہ لوگ کہتے ہیں بیشک اگر ہم لوٹے	مدینہ کی طرف	تو لازماً نکالے گا زیادہ باعزت	اس سے زیادہ ذلیل کو

وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ	وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ ء	وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ③
حالانکہ اللہ ہی کے لیے ہے کل عزت	اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان لانے والوں کے لیے	اور لیکن منافق لوگ جانتے نہیں ہیں

جس خاص واقعہ کے باری میں یہ سورہ نازل ہوئی ہے اس کا ذکر کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ مدینہ کے منافقین کی

نوٹ: 1



تاریخ پر ایک نگاہ ڈال لی جائے، کیونکہ جو واقعہ اس موقع پر پیش آیا تھا وہ محض ایک اتفاقی حادثہ نہ تھا، بلکہ اس کے پیچھے ایک پورا سلسلہ واقعات تھا۔

6860

مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے اوس اور خزرج کے قبیلے آپس کی خانہ جنگیوں سے تھک کر ایک شخص کی قیادت پر متفق ہو چکے تھے اور اس کو اپنا بادشاہ بنا کر باقاعدہ اس کی تاجپوشی کرنے والے تھے۔ یہ شخص قبیلہ خزرج کا رئیس عبد اللہ بن ابی تھا۔ اس صورتحال میں اسلام کا چرچا مدینے پہنچا اور دونوں قبیلوں کے باثر لوگ مسلمان ہونا شروع ہو گئے۔ اس کے بعد جب حضور ﷺ مدینے پہنچے تو انصار کے ہر گھرانے میں اسلام اتنا پھیل چکا تھا کہ عبد اللہ بن ابی بے بس ہو گیا اور اس کو اپنی سرداری بچانے کے لیے اس کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ خود بھی مسلمان ہو جائے۔ چنانچہ وہ اپنے اُن بہت سے ساتھیوں کے ساتھ، جن میں دونوں قبیلوں کے سردار شامل تھے، داخل اسلام ہو گیا۔ حالانکہ ان سب کے دل جل رہے تھے۔ خاص طور پر عبد اللہ بن ابی کو اس بات کا سخت غم تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بادشاہت چھین لی ہے۔ کئی سال تک اس کا یہ منافقانہ ایمان اور بادشاہت چھین جانے کا یہ غم طرح طرح کے غم دکھاتا رہا۔

1- جنگ بدر کے بعد جب قبیلہ خزرج کی بلا اشتعال سرکشی پر رسول اللہ ﷺ نے ان پر چڑھائی کی تو یہ شخص ان کی حمایت پر اٹھ کھڑا ہوا اور حضور ﷺ کی زرہ پکڑ کر کہنے لگا کہ یہ سات سو مردان جنگی جو ہر شخص کے مقابلے پر میرا ساتھ دیتے رہے ہیں، آپ ایک دن میں انہیں ختم کر ڈالنا چاہتے ہیں۔ خدا کی قسم میں آپ کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ میرے ان حلیفوں کو معاف نہ کر دیں۔

2- جنگ احد کے موقع پر قریش تین ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ آئے تھے اور رسول اللہ ﷺ صرف ایک ہزار آدمی لے کر مدافعت کے لیے نکلے تھے۔ اس وقت یہ منافق تین سو آدمی توڑ لایا اور حضور ﷺ کو صرف سات سو کی جمعیت کے ساتھ تین ہزار دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس کے بعد مدینہ کے مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ شخص قطعی منافق ہے اور اس کے وہ ساتھی بھی پہچان لیے گئے جو منافقت میں اس کے شریک کار تھے۔

3- پھر ۴ھ میں غزوہ بنی نضیر پیش آیا۔ اس موقع پر اس شخص نے اور اس کے ساتھیوں نے اور بھی زیادہ کھل کر اسلام کے دشمنوں کی حمایت کی۔ ایک طرف رسول اللہ ﷺ یہودی دشمنوں سے جنگ کی تیاری کر رہے تھے اور دوسری طرف یہ منافقین یہودیوں کو پیغام بھیج رہے تھے کہ ڈٹے رہو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اس خفیہ ساز باز کاراز اللہ تعالیٰ نے کھول دیا جیسا کہ سورہ حشر کے دوسرے رکوع میں گزر چکا ہے۔

اس کی اور اس کے ساتھیوں کی اتنی پردہ دری ہو جانے کے باوجود رسول اللہ ﷺ اس کے ساتھ درگزر کا معاملہ فرماتے رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اوس اور خزرج کے بہت سے سردار اس کے خامی تھے اور مدینہ کی آبادی میں کم از کم ایک تہائی تعداد اس کے ساتھیوں کی موجود تھی، جیسا کہ غزوہ احد کے موقع پر ظاہر ہو چکا تھا۔ ایسی حالت میں یہ کسی طرح مناسب نہیں تھا کہ باہر کے دشمنوں سے لڑائی کے ساتھ ساتھ اندر کے ان دشمنوں سے بھی جنگ مول لی جائے۔ اسی بنا پر ان کی منافقت کا حال جانتے ہوئے بھی آپ ﷺ ایک مدت تک ان کے ساتھ ان کے ظاہری دعوائے ایمان کے لحاظ سے معاملہ فرماتے رہے۔ اس سبب سے عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو غزوہ بنی مصطلق میں شامل ہونے کا موقع مل گیا اور اس مہم میں دو عظیم فتنے اٹھائے۔ ان میں ایک فتنہ وہ تھا جس کا ذکر سورہ نور میں گزر چکا ہے۔ (یعنی بی بی عائشہؓ پر بہتان لگانے کا فتنہ) اور دوسرا فتنہ یہ ہے جس کا اس سورہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

بنی مصطلق کو شکست دینے کے بعد لشکر ایک بستی میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں کنوئیں پر پانی بھرنے میں دو صحابیوں کا جھگڑا ہو گیا۔ ان میں ایک حضرت عمرؓ کے ملازم تھے اور دوسرے ایک انصاری تھے۔ زبانی ترش کلامی سے گزر کر نوبت ہاتھ پائی تک پہنچی تو دونوں نے اپنے اپنے قبیلوں کو مدد کے لیے پکارا۔ قریب تھا کہ انصار اور مہاجر آپس میں لڑ پڑتے لیکن یہ شور سن کر رسول اللہ ﷺ نکل آئے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جاہلیت کی پکار کیسی۔ تم لوگ کہاں اور یہ جاہلیت کی پکار کہاں۔ اسے چھوڑ دو۔ یہ بڑی گندی چیز ہے۔ اس پر دونوں طرف



سے صالح لوگوں نے آگے بڑھ کر معاملہ رفع دفع کرادیا۔

اس کے بعد منافقین عبداللہ بن ابی کے پاس پہنچے۔ اس نے کہا کہ یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔ تم نے ان لوگوں کو اپنے ملک میں جگہ دی، ان پر اپنے مال تقسیم کیے، اب یہ پھل پھول کر خود ہمارے ہی حریف بن گئے ہیں۔ تم لوگ ان سے ہاتھ روک لو تو یہ چلتے نظر آئیں۔ خدا کی قسم مدینہ واپس پہنچ کر ہم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو نکال دے گا۔ اس مجلس میں حضرت زید بن ارقمؓ بھی موجود تھے جو اس وقت ایک کم عمر لڑکے تھے۔ انہوں نے اپنے چچا سے اس کا ذکر کیا۔ ان کے چچا نے جو انصار کے رئیسوں میں سے تھے، جا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سارا واقعہ بیان کر دیا۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو وہ قسمیں کھانے لگا کہ میں نے یہ باتیں ہرگز نہیں کیں۔ مگر حضور ﷺ حضرت زیدؓ کو بھی جانتے تھے اور عبداللہ بن ابی کو بھی، اس لیے آپ ﷺ مجھ گئے کہ اصل بات کیا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ بات تمام انصار میں پھیل گئی اور ان میں عبداللہ بن ابی کے خلاف سخت غصہ پیدا ہو گیا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ جا کر رسول اللہ ﷺ سے معافی مانگو لیکن اس نے انکار کر دیا۔ یہ تھے وہ حالات جن میں یہ سورت نازل ہوئی۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، ص: ۵۰۸ تا ۵۱۵ سے ماخوذ)

آیت نمبر (1 تا 19)

(آیت - 10) فاسبیہ ہونے کی وجہ سے اَصْدَقَ حالت نصب میں آیا ہے۔ آگے آکُنْ اگر فاسبیہ پر عطف ہوتا تو یہ حالت نصب میں آکُونُ ہوتا۔ لیکن یہ حالت جزم میں آکُنْ آیا ہے۔ اس لیے اس سے پہلے کوئی شرط والا فعل محذوف مانا جاتا ہے جس کا جواب شرط ہونے کی وجہ سے یہ مجزوم ہے۔ مثلاً وَ لَیْنِ اَخْرَجْتَنِیْ کو محذوف مانا جاسکتا ہے۔

ترکیب

ترجمہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ	أَمْوَالِكُمْ وَلَا أَوْلَادِكُمْ	عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ
اے لوگو جو ایمان لائے تم لوگوں کو غافل نہ کریں	تمہارے مال اور نہ تمہاری اولادیں	اللہ کی یاد سے
وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ	فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ④	وَأَنْفِقُوا
اور جو کرے گا یہ (کام)	تو وہ لوگ ہی خسارہ پانے والے ہیں	اور تم لوگ خرچ کرو
مَنْ قَبْلَ أَنْ	يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ	الْمَوْتُ
اس سے پہلے کہ	آپہنچے تم میں کے کسی ایک کو	موت
مَنْ قَبْلَ أَنْ	يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ	الْمَوْتُ
اس سے پہلے کہ	آپہنچے تم میں کے کسی ایک کو	موت
فَأَصْدَقَ	وَ أَكُنْ	مِّنَ الصَّٰلِحِينَ ⑤
نتیجاً میں صدقہ کرتا	اور (پھر تو) میں ہو جاؤں گا	نیکی کرنے والوں میں سے
نَفْسًا	وَ كُنْ يَوْمَئِذٍ	مِّنَ الصَّٰلِحِينَ ⑤
کسی جان کو	اور ہرگز پیچھے نہیں کرے گا (مہلت نہیں دے گا) اللہ	نیکی کرنے والوں میں سے



إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا	وَاللَّهُ خَبِيرٌ	بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
جب آجائے گا اس کا (خاتمے کا) وقت	اور اللہ باخبر ہے	اس سے جو تم لوگ عمل کرو گے

نوٹ: 1 اب خطاب مومنین سے ہے۔ ان کو اس سے ڈرایا گیا ہے کہ دنیا کی محبت میں ایسے مدہوش نہ ہو جائیں جیسے منافقین ہو گئے۔ دنیا کی سب سے بڑی دو چیزیں ہیں جو انسان کو اللہ سے غافل کرتی ہیں۔ مال اور اولاد۔ اس لیے ان دونوں کا نام لیا گیا، ورنہ مراد اس سے پوری متاع دنیا ہے اور ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ مال و اولاد سے محبت ایک درجہ میں مذموم نہیں، ان کے ساتھ ایک درجہ تک لگاؤ صرف جائز نہیں بلکہ واجب بھی ہو جاتا ہے۔ مگر اس کی یہ حد فاصل ہر وقت سامنے رہنا چاہیے کہ یہ چیزیں انسان کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ذکر سے مراد یہاں تمام اطاعتیں اور تمام عبادتیں ہیں۔ اور یہی قول سب کا جامع ہے۔ (معارف القرآن)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة التعنابن (64)

آیت نمبر (1 تا 6)

ترجمہ

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ	وَمَا فِي الْأَرْضِ	لَهُ الْمُلْكُ
تسبیح کرتی ہے اللہ کی (ہر) وہ چیز جو آسمانوں میں ہے	اور (ہر) وہ چیز جو زمین میں ہے	اس کے لیے ہی ساری بادشاہت ہے
وَلَهُ الْحُكْمُ	وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ	هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ
اور اس کے لیے ہی کل حکم ہے	اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے	وہ، وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو
فَمِنْكُمْ كَافِرٌ	وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ	وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ
تو تم میں سے کوئی انکار کرنے والا ہے	اور تم میں سے کوئی ایمان لانے والا ہے	اور اللہ اس کو جو تم لوگ کرو گے دیکھنے والا ہے
بِالْحَقِّ	وَصَوْرَكُمْ	فَاحْسَنَ
حق ((مقصد) کے ساتھ	اور اس نے صورت بنائی تم لوگوں کی	پھر اس نے حسن دیا
يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ	وَيَعْلَمُ مَا تُسَبِّحُونَ	وَمَا تُعْلِنُونَ
وہ جانتا ہے اس کو جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے	اور وہ جانتا ہے اس کو جو تم لوگ چھپاتے ہو	اور اس کو جو تم لوگ علانیہ کرتے ہو
وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ	أَلَمْ يَأْتِكُمْ	نَبَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا
اور اللہ جاننے والا ہے سینوں والی (بات) کو	کیا پہنچی نہیں تم لوگوں کے پاس	ان لوگوں کی خبر جنہوں نے کفر کیا
فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ	وَأَلَّهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ	ذَلِكَ بِأَنَّهُ
پھر انہوں نے پکھی اپنے کیے کی سزا	اور ان کے لیے ایک دردناک عذاب ہے	یہ بسبب اس حقیقت کے کہ
كَانَتْ تَأْتِيهِمْ	كَانَتْ تَأْتِيهِمْ	كَانَتْ تَأْتِيهِمْ
آتے تھے ان کے پاس	آتے تھے ان کے پاس	آتے تھے ان کے پاس



رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ	فَقَالُوا	ابَشْرًا يَهْدُونََنَا	فَكَفَرُوا وَاتَّكَلُوا
ان کے رسول واضح (نشانیوں) کے ساتھ	تو وہ کہتے تھے	کیا کچھ بشر ہدایت دیں گے ہم کو	پھر انہوں نے انکار کیا اور منہ موڑا

وَاسْتَعْنَى اللَّهُ	وَاللَّهُ عَنِّي حَيِّدٌ ۝۱
اور بے نیازی اختیار کی اللہ نے	اور اللہ ہے (ہی) بے نایز محمد کیا ہوا

نوٹ: 1

آیت 2- میں فَمِنْكُمْ کا حرف 'ف' تعقیب (یعنی ایک چیز کا دوسرے کے بعد ہونے) پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اول تخلیق و آفرینش میں کوئی کافر نہیں تھا۔ یہ کافر و مومن کی تقسیم بعد میں اس اختیار کے تحت ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو بخشا ہے۔ اور اسی کسب و اختیار کی وجہ سے اس پر گناہ و ثواب عائد ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اولادِ آدم سب ایک برادری ہے۔ اس برادری کو قطع کرنے اور ایک الگ گروہ بنانے والی چیز صرف کفر ہے۔ اس لیے پوری دنیا میں انسانوں میں گروہ بندی صرف ایمان و کفر کی بناء پر ہو سکتی ہے۔ رنگ، زبان، نسل، خاندان، وطن اور ملک میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو انسانی برادری کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے۔ رنگ و زبان کے اختلاف کو قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیوں اور انسان کے لیے بہت سے فوائد پر مشتمل ہونے کی بناء پر ایک نعمت تو قرار دیا ہے مگر اس کو بنی آدم میں گروہ بندی کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں دی۔ کیونکہ ایمان و کفر کی بناء پر دو قوموں کی تقسیم ایک اختیاری امر پر مبنی ہے۔ اگر کوئی شخص ایک قومیت چھوڑ کر دوسری میں شامل ہونا چاہے، تو بڑی آسانی سے اپنے عقائد بدل کر دوسرے میں شامل ہو سکتا ہے، بخلاف نسب و خاندان یا رنگ اور زبان کے کہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں کہ وہ اپنا نسب یا رنگ بدل دے۔ زبان اور وطن اگر چہ بدلے جاسکتے ہیں مگر زبان و وطن کی بنیاد پر بننے والی قومیں دوسروں کو اپنے اندر جذب کرنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوتیں خواہ ان کی ہی زبان بولنے لگے اور ان کے وطن میں آباد ہو جائے۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 2

یہاں یہ بات قبل ذکر ہے کہ کتب آسمانی نے کبھی انسان کے پیدائشی گنہگار ہونے کا وہ تصور پیش نہیں کیا جسے ڈیڑھ ہزار سال سے عیسائیت نے اپنا بنیادی عقیدہ بنا رکھا ہے۔ آج خود کیتھولک علماء یہ کہنے لگے ہیں کہ بائبل میں اس عقیدے کی کوئی بنیاد موجود نہیں ہے۔ چنانچہ بائبل کا ایک مشہور جرمن عالم ریورینڈ ہربرٹ ہاگ اپنی کتاب IS SRIGINAL SIN IN SCRIPTURE میں لکھا ہے کہ ابتدائی دور کے عیسائیوں میں کم از کم تیسری صدی تک یہ عقیدہ سرے سے موجود ہی نہیں تھا کہ انسان پیدائشی گنہگار ہے اور جب یہ خیال لوگوں میں پھیلنے لگا تو دوسریوں تک عیسائی اہل علم اس کی تردید کرتے رہے۔ مگر آخر کار پانچویں صدی میں سینٹ آگسٹائن نے اپنی منطق کے زور سے اس بات کو مسیحیت کے بنیادی عقائد میں شامل کر دیا۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 3

آیت 6- میں کافروں کا قول نقل ہوا ہے کہ کیا انسان ہمیں ہدایت دیں گے۔ یہ ان کی تباہی کی اولین اور بنیادی وجہ ہے۔ نوع انسانی کو دنیا میں صحیح راہ عمل اس کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی تھی کہ اس کا خالق اسے صحیح علم دے۔ اور خالق کی طرف سے علم دیئے جانے کی عملی صورت اس کے سوا کچھ نہ ہو سکتی تھی کہ وہ انسانوں ہی میں سے بعض افراد کو علم عطا کر کے دوسروں تک اسے پہنچانے کی خدمت سپرد کر دے۔ اس غرض کے لیے اس نے انبیاء کو بیانات کے ساتھ بھیجا تا کہ لوگوں کے لیے ان کے برحق ہونے میں شک کرنے کی کوئی معقول وجہ نہ رہے۔ مگر انہوں نے سرے سے یہی ماننے سے انکار کر دیا کہ بشر خدا کا رسول ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد ان کے لیے ہدایت پانے کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔



اس معاملہ میں گمراہ انسانوں کی جہالت و نادانی کا یہ عجیب کرشمہ ہمارے سامنے آتا ہے کہ بشر کی رہنمائی قبول کرنے میں تو انہوں نے کبھی تامل نہیں کیا ہے، حتیٰ کہ انہی کی رہنمائی میں لکڑی اور پتھر کے بتوں تک کو معبود بنایا۔ خود انسانوں کو خدا اور خدا کا اوتار اور خدا کا بیٹا تک مان لیا۔ گمراہ کن لیڈروں کی اندھی پیروی میں ایسے ایسے عجیب مسلک اختیار کیے جنہوں نے انسانی تہذیب و تمدن اور اخلاق کو تپٹ کر کے رکھ دیا۔ مگر جب خدا کے رسول ان کے پاس حق لے کر آئے تو انہوں نے کہا: ”کیا اب بشر ہمیں ہدایت دیں گے۔“ اس کے معنی یہ تھے کہ بشر اگر گمراہ کرے تو سر آنکھوں پر لیکن اگر وہ راہ راست دکھاتا ہے تو اس کی رہنمائی قابل قبول نہیں۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (7 تا 10)

غ ب ن

(ن)	غَبْنًا وَ غَبْنًا	کاروبار میں دھوکہ دے کر اپنا پلہ بھاری کر لینا۔ کسی کو نقصان پہنچانا۔
(س)	غَبْنًا وَ غَبْنًا	ذہانت کا کم ہونا۔ ضعیف الرائے ہونا۔
(تفاعل)	تَغَابَنَّا	معاملات میں بعض کا بعض کو نقصان پہنچانا۔ کسی کا کسی کے مقابلہ میں غافل یا ضعیف الرائے ہونا۔ زیر مطالعہ آیت۔ 9

ترجمہ

زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا	أَنْ لَّنْ يُبْعَثُوا	قُلْ بَلَىٰ	وَرَبِّي
یقین جاننا لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا	کہ وہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے	آپ کہیے کیوں نہیں	میرے رب کی قسم
لَتُبْعَثُنَّ	نَحْمَلَنَّكُمْ	بِمَا عَمِلْتُمْ	وَذَلِكُمْ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝
تم لوگ لازماً اٹھائے جاؤ گے	پھر تم لوگوں کو لازماً باخبر کیا جائے گا	اس سے جو تم نے عمل کیا	اور یہ اللہ پر آسان ہے
فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ	وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا	وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ	خَبِيرٌ ۝
پس تم لوگ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر	اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا	اور اللہ اس سے جو تم لوگ کرتے ہو	باخبر ہے
يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ	لِيَوْمِ الْجَمْعِ	ذَلِكَ يَوْمِ التَّعَابِينِ	وَمَنْ يُؤْمِنْ
جس دن وہ جمع کرے گا تم لوگوں کو	جمع کیے جانے کے دن کے لیے	وہ نفع نقصان (کے ظہور) کا دن ہوگا	اور جو ایمان لائے گا اللہ پر
بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا	يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ	وَيُدْخِلْهُ	جَنَّاتٍ
اور عمل کرے گانیک	تو وہ دور کر دے گا اس سے اس کی برائیوں کو	اور وہ داخل کرے گا اس کو	ایسے باغات میں
خَالِدِينَ فِيهَا	أَبَدًا	ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝	وَالَّذِينَ كَفَرُوا
ایک حالت میں رہنے والے ہوتے ہوئے ان میں	ہمیشہ ہمیش	یہی شاندار کامیابی ہے	اور جنہوں نے انکار کیا
وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا	أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ	خَالِدِينَ فِيهَا	وَيُسَسُّوْنَ
اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو	وہ لوگ آگ والے ہیں	ہمیشہ رہنے والے ہوتے ہوئے اس میں	اور بہت بری ہے (وہ) لوٹنے کی جگہ

زیر مطالعہ آیت۔ 7۔ میں یہ تیسرا مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ اپنے رب کی قسم کھا کر لوگوں سے

نوٹ: 1

کہو کہ ضرور ایسا ہو کر رہے گا۔ پہلے سورہ یونس کی آیت - 53۔ میں پھر سورہ سبأ کی آیت - 3۔ میں اور اب اس آیت 8860 ل یہ ہے کہ ایک منکر آخرت کے لیے اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ آپ اسے آخرت کی خبر قسم کھا کر دیں یا قسم کھائے بغیر دیں۔ وہ جب نہیں مانتا تو اس بنا پر کیسے مان لے گا کہ آپ قسم کھا کر اس سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب وہ لوگ تھے جو اپنے علم اور تجربہ کی بنا پر یہ بات خوب جانتے تھے کہ انہوں نے کبھی عمر بھر جھوٹ نہیں بولا۔ اس لیے خواہ زبان سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کیسے بھی بہتان گھڑتے رہے ہوں اپنے دل میں وہ یہ تصور نہیں کر سکتے تھے کہ ایسا سچا انسان کبھی خدا کی قسم کھا کر وہ بات کہہ سکتا ہے جس کے برحق ہونے کا اسے یقین نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ نبی کا مقام ایک فلسفی کے مقام سے بالاتر ہے۔ نبی کی اصلی حیثیت یہ نہیں ہے کہ عقلی استدلال سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا ہو کہ آخرت ہونی چاہیے۔ بلکہ اس کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ اس بات کا علم رکھتا ہے کہ آخرت ہوگی اور یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ وہ ضرور ہو کر رہے گی۔ اس لیے ایک نبی ہی قسم کھا کر یہ بات کہہ سکتا ہے اور ایک فلسفی اس پر قسم نہیں کھا سکتا۔ فلسفی اگر صحیح فکر فلسفی ہو تو وہ ”ہونا چاہیے“ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ”ہے اور یقیناً ہے“ کہنا صرف نبی کا کام ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 1

تغابن غبن سے مشتق ہے جس کے معنی خسارے اور نقصان کے ہیں۔ مالی نقصان کو بھی غبن کہتے ہیں اور رائے اور عقل کے نقصان کو بھی۔ لفظ تغابن کا مطلب ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو اور دوسرا اس کو نقصان پہنچائے یا اس کے نقصان کو ظاہر کرے۔ قیامت کو یوم تغابن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے آخرت میں دو گھر پیدا کیے ہیں، ایک جہنم میں دوسرا جنت میں۔ اہل جنت کو جنت میں داخل کرنے سے پہلے ان کا وہ مقام بھی دکھایا جائے گا جو ایمان و عمل نہ ہونے کی صورت میں ان کے لیے مقرر تھا تا کہ اس کو دیکھنے کے بعد جنت کے مقام کی اور زیادہ قدر ان کے دل میں پیدا ہو، اور اللہ کا مزید شکر گزار ہو۔ اسی طرح اہل جہنم کو جہنم میں داخل کرنے سے پہلے ان کا جنت کا وہ مقام دکھلایا جائے گا جو ایمان اور عمل صالح کی صورت میں ان کے لیے مقرر تھا تا کہ ان کو اور زیادہ حسرت ہو۔ ان روایات میں یہ بھی ہے کہ پھر جنت میں جو مقامات اہل جہنم کے تھے وہ بھی اہل جنت کو مل جائیں گے اور جہنم میں جو مقامات اہل جنت کے تھے وہ اہل جہنم کے حصے میں آئیں گے۔ اس وقت کفار اور فجار کو اپنے غبن اور خسارے کا احساس ہوگا کہ کیا چھوڑا اور کیا پایا۔

بہت سے ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اُس دن غبن اور خسارے کا احساس صرف کفار اور فجار ہی کو نہیں بلکہ مؤمنین صالحین کو بھی ہوگا کہ کاش ہم عمل اور زیادہ کرتے تا کہ جنت کے مزید درجات حاصل کرتے۔ اس روز ظالم اور بد عمل لوگ اپنی تقصیرات پر حسرت کریں گے اور مؤمنین نے عمل میں جو کوتاہی کی ہے اس پر ان کو حسرت ہوگی۔ اس طرح قیامت کے روز سبھی اپنی اپنی کوتاہی پر نادم اور عمل کی کمی پر غبن و خسارہ کا احساس کریں گے اس لیے اس کو یوم التغابن کہا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور پوری مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا تو یہ مجلس قیامت کے روز اس کے لیے حسرت بنے گی۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (11 تا 18)

مَا أَصَابَ	مِنْ مُصِيبَةٍ	إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ط	وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ
نہیں آگتی	کوئی بھی آگنے والی (مصیبت)	مگر اللہ کی اجازت سے	اور جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر



يَهْدِي قَلْبَهُ ط	وَاللَّهُ بِحُجَّتِ شَيْءٍ عَلِيمٌ ⑩	وَاطِيعُوا اللَّهَ	وَاطِيعُوا اللَّهَ ⑩
تو وہ ہدایت دیتا ہے اس کے دل کو	اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے	اور تم لوگ اطاعت کرو اللہ کی	اور تم لوگ اطاعت کرو اللہ کی
فَإِن تَوَلَّيْتُمْ	فَأَنتُمْ عَلَىٰ رَسُولِنَا	أَبْلَغُ الْمَبِينِ ⑪	اللَّهُ
پھر اگر تم لوگوں نے منہ موڑا	تو ہمارے رسول پر تو بس	واضح طور پر پہنچا دینا ہے	اللہ (وہ ہے کہ)
إِلَّا هُوَ ط	وَعَلَى اللَّهِ	فَلْيَتَوَكَّلِ ⑫	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
سوائے اس کے	اور اللہ پر بھی	چاہیے کہ توکل کریں مومن لوگ	اے لوگو جو ایمان لائے
عَدَاؤَكُمْ	فَأَحَدًا رُوهُمْ ج	وَأَن تَعْفُوا	وَتَصْفَحُوا
کچھ دشمن ہیں تمہارے (ایمان کے) لیے	پس تم لوگ محتاط رہو ان سے	اور اگر تم لوگ درگزر کرو	اور نظر انداز کرو
فَإِنَّ اللَّهَ	عَفْوٌ	رَحِيمٌ ⑬	إِنَّمَا
تو بیشک اللہ (بھی)	بے انتہا معاف کرنے والا ہے	ہمیشہ رحم کرنے والا ہے	کچھ نہیں سوائے اس کے کہ
وَاللَّهُ	عِنْدَكَ	أَجْرٌ عَظِيمٌ ⑭	فَاتَّقُوا اللَّهَ
اور اللہ (ہے کہ)	اس ہی کے پاس	شاندار اجر ہے	پس تم لوگ تقویٰ اختیار کرو اللہ کا
وَاسْبِعُوا	وَاطِيعُوا	وَأَنْفِقُوا	خَيْرًا لِّأَنفُسِكُمْ ط
اور سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو	بھلائی ہوتے ہوئے تمہاری اپنی جانوں کے لیے	اور جس کو بچا لیا گیا	اور جس کو بچا لیا گیا
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ⑮	إِن تَقْرَضُوا اللَّهَ	قَرْضًا حَسَنًا	يُضِعْفَهُ لَكُمْ
تو وہ لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں	اگر تم لوگ قرض دو اللہ کو	جیسے خوبصورت قرض دینے کا حق ہے	تو وہ ضرب دے گا اس کو تمہارے لیے
وَيَعْفِرْ لَكُمْ ط	وَاللَّهُ شَكُورٌ	حَلِيمٌ ⑯	عَلِيمٌ وَالشَّهَادَةِ
اور وہ بخش دے گا تم کو	اور اللہ انتہائی قدر دان ہے	ہمیشہ تحمل کرنے والا ہے	(وہ) غائب اور موجود کا جاننے والا ہے

نوٹ: 1

آیت - 11 - کا مطلب یہ ہے کہ مصائب کے وقت جو چیز انسان کو راہ راست پر قائم رکھتی ہے اور اس کے قدم ڈگمگانے نہیں دیتی، وہ صرف ایمان باللہ ہے۔ جس کے دل میں ایمان نہ ہو وہ آفات کو اتفاقات کا نتیجہ سمجھتا ہے، یا دنیوی طاقتوں کو ان کے لانے اور روکنے میں مؤثر مانتا ہے، یا انہیں ایسی خیالی طاقتوں کا عمل سمجھتا ہے جنہیں انسانی اوہام نے نفع و ضرر پہنچانے پر قادر فرض کر لیا ہے، یا خدا کو فاعل مختار مانتا تو ہے مگر صحیح (پکے) ایمان کے ساتھ نہیں مانتا۔ ان تمام صورتوں میں آدمی کم ظرف ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایک خاص حد تک تو وہ مصیبت سہہ لیتا ہے، لیکن اس کے بعد وہ گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔ ہر آستانے پر جھک جاتا ہے۔ ہر ذلت قبول کر لیتا ہے۔ ہر غلط کام کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص یہ جانتا اور سچے دل سے مانتا ہو کہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اسی کے اذن سے مصیبت آتی اور اسی کے حکم سے ٹل سکتی ہے، اس کے دل کو اللہ تعالیٰ صبر اور تسلیم و رضا کی توفیق دیتا ہے۔ اس کو عزم اور ہمت کے ساتھ ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے کی طاقت بخشتا ہے اور بڑی سے بڑی آفت بھی اس کو راہ راست سے ہٹانے نہیں پاتی۔ اس طرح ہر مصیبت اس



کے لیے نتیجہ کے اعتبار سے سراسر رحمت بن جاتی ہے۔ کیونکہ خواہ وہ اس کا شکار ہو کر رہ جائے یا اس سے بھرت گزر جائے، دونوں صورتوں میں وہ اپنے رب کی ڈالی ہوئی آزمائش سے کامیاب ہو کر نکلتا ہے۔ اسی چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اللہ اس کے حق میں جو بھی فیصلہ کرتا ہے وہ اس کے لیے اچھا ہی ہوتا ہے۔ مصیبت پڑے تو صبر کرتا ہے اور وہ اس کے لیے اچھا ہوتا ہے۔ خوشحالی میسر آئے تو شکر کرتا ہے اور وہ بھی اس کے لیے اچھا ہی ہوتا ہے۔ یہ بات مومن کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 2

زیر مطالعہ آیات - 11 تا 13 میں جو ہدایات ہمیں دی گئیں ہیں ان کو اب ایک اور پہلو سے سمجھنا ہے۔ اس کے لیے پہلے ایک اصولی بات سمجھ لیں۔ ہماری زندگی میں کچھ حالات و واقعات ہوتے ہیں جو ہم پر ٹپک پڑتے ہیں۔ ان کے واقع ہونے میں نہ تو ہمارا کوئی عمل دخل ہوتا ہے اور نہ ان پر ہمارا کوئی اختیار ہوتا ہے۔ یہ حالات خوشگوار بھی ہوتے ہیں اور ناگوار بھی۔ دوسری طرف ہماری زندگی میں کچھ اعمال ہوتے ہیں جو ہم کرتے ہیں۔ ان اعمال کے ظہور پذیر ہونے میں ہمارے غور و فکر، نیت و ارادہ اور کوشش کا عمل دخل ہوتا ہے۔ ان کو کرنے یا نہ کرنے کا ہم کو اختیار ہوتا ہے، یہ اعمال کامیاب بھی ہوتے ہیں اور نا کام بھی۔ ہماری زندگی کے یہ دو الگ الگ دائرے ہیں، ان کو آپس میں گڈ مڈ کر دینے کے نتیجے میں ذہن الجھ جاتا ہے اور اکثر ہم غلط نتائج اخذ کر لیتے ہیں۔ اس لیے اس فرق کو ایک مثال سے سمجھ لیں۔

فرض کریں بیرون ملک سے ایک تاجر آئے ہوئے ہیں۔ صبح دس بجے ان سے ملاقات کا وقت طے ہے۔ آپ کو یقین ہے کہ اس ملاقات سے آپ کے کاروبار میں ترقی ہوگی۔ مکمل تیاری کے ساتھ آپ اس ہوٹل کے لیے روانہ ہوتے ہیں جس میں وہ تاجر ٹھہرا ہوا ہے۔ راستہ میں سڑک پر کوئی حادثہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے ٹریفک جام ہے اور آپ بھی اس میں پھنس جاتے ہیں۔ جب راستہ کھلا اور آپ آدھا گھنٹہ تاخیر سے ہوٹل پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ تاجر آپ کا انتظار کر کے کہیں جا چکا ہے۔ یہ آپ پر ٹپک پڑنے والا ایک واقعہ ہے۔ اس پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ تاجر کی پاکستان آمد سے باخبر ہونا، اس سے ملاقات کا وقت حاصل کرنا، مکمل تیاری کے ساتھ ٹھیک وقت پر روانہ ہونا، یہ سب آپ کا اختیاری عمل تھا۔ ٹریفک جام ہونا و وارد شدہ تقدیری واقعہ ہے۔ اس تقدیری واقعہ کے وارد ہونے کے بعد آپ رنج و غم میں سارا دن ضائع کریں گے یا خود کو سنبھال کر اُس دن کے باقی کام خوش اسلوبی سے سرانجام دیں گے، یہ آپ کا عمل ہوگا، اس کا تقدیر سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

اب آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہم پر وارد ہونے والے تقدیری حالات و واقعات اور ہماری اختیاری سعی و جہد کا دائرہ الگ الگ تو ہے لیکن عموماً یہ ایک دوسرے سے متصل ہوتے ہیں اور زیادہ تر ان کے مابین سبب اور علت Couse and effect کا تعلق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ بے احتیاطی میں انہیں آپس میں گڈ مڈ کر دیتے ہیں۔ اگر تھوڑی سی شعوری کوشش کی جائے تو ان میں فرق کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس لیے یہ بات کبھی نہ بھولیں کہ ہم پر وارد ہونے والے حالات و واقعات ہماری تقدیر کا حصہ ہیں۔ انہیں وارد ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ لیکن ان واقعات کے نتیجے میں ہماری زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوں گے، اس کا تعلق ہمارے عمل سے ہے۔ اس لیے وہ اثرات ہماری تقدیر کا حصہ نہیں ہے۔ (جینے کا سلیقہ خط و کتابت کورس، حصہ چہارم صفحہ 64 تا 66 سے ماخوذ)

اس حوالے سے اب یہ نوٹ کریں کہ آیت - 11 - میں تقدیری معاملات کے لیے ہدایت ہے۔ یہاں پر ایمان باللہ سے مراد ہے



اللہ کی ربوبیت پر دل کا جم جانا۔ وہ ہماری پرورش کرنے والا ہے۔ وہ ہماری ضروریات کو ہم سے زیادہ جانتا ہے اور ہم سے بڑھ کر ہمارا خیر خواہ ہے۔ اس کے ہاتھ میں کل خیر ہے۔ اس لیے جو کچھ ہوا ہے اسی میں ہماری بھلائی ہے۔ جس کے دل میں یہ یقین ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو تسلیم و رضا کی ہدایت دے گا۔ جب دل کو یہ ہدایت ملے گی تب بندہ تاجر سے ملاقات نہ ہونے میں اپنی خیر سمجھے گا اور غم و غصہ میں مبتلا ہونے کے بجائے اُس دن کے بقیہ کام خوش اسلوبی سے سرانجام دے کر اُس دن کو ضائع ہونے سے بچا لے گا۔ آگے آیات 12-13 میں ہدایات کا تعلق ہمارے عمل کے دائرے سے ہے۔ ہدایت یہ ہے کہ کوئی بھی کوشش کرتے وقت یہ فکر کرنا لازمی ہے کہ کس چیز سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے منع کیا ہے، کیا چیز مباح ہے اور کیا چیز اجر و ثواب کا باعث ہے۔ جس چیز سے منع کیا گیا ہے اس سے بچنا ضروری ہے۔ اطاعت کرنے کا یہی مطلب ہے۔ اس ضمن میں دوسری ہدایت یہ ہے کہ کوشش کے نتیجے کے لیے بھروسہ اور توکل صرف اللہ پر کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں کوشش کرنے کا تو پابند کیا گیا ہے لیکن اس کے نتیجے کو اللہ تعالیٰ نے کلیدیٰ اپنے قبضہ میں رکھا ہے۔ نتیجہ پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ہماری کوشش کا نتیجہ نکلے گا یا نہیں، کتنا نکلے گا اور کب نکلے گا، یہ سب فیصلے اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ اور چونکہ وہ ہمارا رب ہے اس لیے اس کا ہر فیصلہ ہماری بہتری کے لیے ہوتا ہے۔ دل میں یہ یقین ہوگا تو اللہ تعالیٰ ہمارے دل کو ہدایت دے گا۔

نوٹ: 3

آیت 14 میں ایک بہت بڑی آزمائش سے متنبہ فرمایا ہے۔ یہ بیوی بچوں کی محبت ہے۔ یہ محبت ہے تو ایک فطری چیز لیکن ساتھ ہی یہ انسان کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش بھی ہے۔ اگر آدمی کا علم و ایمان پختہ نہ ہو تو اندیشہ ہوتا ہے کہ اس پر بیوی بچوں کی محبت اس قدر غالب آجائے کہ وہ خدا کی محبت کو نظر انداز کر بیٹھے حالانکہ یہ چیز اس کے ایمان کو غارت کر دینے والی ہے۔ آیت میں لفظ 'من' سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص کے بیوی بچے لازماً اللہ کی راہ سے روکنے والے ہوں۔ بہتوں کے بیوی بچے ایسے بھی ہوتے ہیں جو راہِ حق میں مزاحم ہونے کے بجائے معاون ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کے اہل و عیال ایسے نہیں ہیں تو اس کو چاہیے کہ وہ ان سے محتاط رہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ جس کو اس طرح کی آزمائش سے سابقہ پیش آئے اس کے لیے صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی فتنہ میں پڑنے سے تو بچائے اور اپنے قول و عمل سے اپنے اہل و عیال کی اصلاح کی کوشش کرے لیکن جب تک کفر و ایمان کا کوئی سوال پیدا نہ ہو اس وقت تک ان سے قطع تعلق نہ کرے بلکہ عفو و درگزر سے کام لے۔ گویا ان کے ساتھ زندگی تو گزارے لیکن گھل مل کر نہیں بلکہ بچا بچا اس طرح کہ خود بھی محفوظ رہے اور ان کی بھی اصلاح ہو۔ (تدبر قرآن)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورة الطلاق (65)

آیت نمبر (1 تا 3)

آیت 1) نبی ﷺ کو مخاطب کر کے آگے طَلَّقْتُمْ میں واحد مخاطب کی ضمیر 'ت' کے بجائے جمع مخاطب کی ضمیر 'تُمْ' آئی ہے۔ پھر اس کے آگے طَلَّقُوا۔ اَحْضُوا۔ اِنْفِقُوا۔ لَا تُخْرِجُوا یہ سب جمع مخاطب کے صیغے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ خطاب نبی ﷺ سے ہے لیکن ہدایات پوری اُمت کے لیے ہیں۔ اس لیے استاذ محترم حافظ احمد یار صاحب مرحوم کی رائے ہے کہ یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ کے بعد قُلْ کو محذوف مان لیا جائے تو منہوم صحیح طریقے سے واضح ہو جائے گا۔ (آیت 2) ذُو کا تثنیہ حالت رفع میں ذَوَا۔ اور حالت نصب و جَرّ میں ذَوَى آتا ہے۔

ترکیب



یہاں یہ اَشْهَدُ وَاکامفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ آیت۔ 2/ البقرة: 177۔ کے نوٹ۔ 2۔ میں بیا یا بچا چکا ہے کہ اس کی جمع ذُوُو۔ ذُوِي۔ ذُوِي آتی ہے۔ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ فِي كَانٍ ماضی استمراری کا نہیں ہے بلکہ یہ كَانَ تَامَمَ ہے۔ (دیکھیں آیت۔ 2/ البقرة: 193، نوٹ۔ 1) مَنْ سَابِقَهُ نَعْلُ يُوْعَظُ كَامفعول بھی ہے اور كَانَ تَامَمَ کا فاعل بھی ہے اور آگے يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَلِيَوْمِ الْآخِرِ اس کی صفت ہے۔ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ كَامَنْ شَرَطِيه ہے اس لیے يَتَّقِ مجزوم ہے۔ آگے ملانے کے لیے اس کو کسرہ دی گئی ہے۔ آگے يَجْعَلُ اور يَرْزُقُ جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہیں۔ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ كَامَنْ بھی شرطیہ ہے اس لیے يَتَوَكَّلْ مجزوم ہے فَهُوَ حَسْبُهُ پورا جملہ جواب شرط اور محلاً مجزوم ہے۔

ترجمہ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ	إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ	فَطَلِّقُوهُنَّ	لِعَدَّتِهِنَّ
اے نبی (آپ کہہ دیجئے کہ)	جب کبھی تم لوگ طلاق دو (اپنی) عورتوں کو	تو طلاق دو ان کو	ان کی مدت (تک) کے لیے
وَ أَحْصُوا الْعِدَّةَ	وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ	لَا تَخْرُجُوهُنَّ	مِنْ بِيُوتِهِنَّ
اور پورا شمار کرو مدت کو	اور تقویٰ اختیار کرو اللہ کا جو تمہارا رب ہے	اور تم لوگ مت نکالو ان کو	ان کے گھروں سے
وَلَا يَخْرُجَنَّ	إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ	بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ	وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ
اور چاہیے کہ وہ (بھی) نہ نکلیں	سوائے اس کے کہ وہ کریں	کوئی کھلی بے حیائی (کا کام)	اور یہ اللہ کی حدود ہیں
وَمَنْ يَتَعَدَّ	حُدُودَ اللَّهِ	فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ	لَعَلَّ اللَّهُ
اور جو تجاوز کرے گا	اللہ کی حدود سے	تو اس نے ظلم کیا ہے اپنے آپ پر	شاید کہ اللہ
يُحْدِثُ	بَعْدَ ذَلِكَ	أَمْرًا	فَأَمْسِكُوهُنَّ
وجود میں لے آئے	اُس کے بعد	کوئی (نیا) معاملہ	تو تم لوگ تھامے رہو ان کو بھلائی کے ساتھ
أَوْ فَارِقُوهُنَّ	بِعَرُوفٍ	وَأَشْهَدُوا	وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ
یا جدا ہو ان سے بھلائی کے ساتھ	اور تم لوگ گواہ بناؤ	کوئی دو انصاف والے تم میں سے	اور قائم کرو گواہی کو اللہ کے لیے
ذَلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ	مَنْ كَانَ	يَوْمَئِذٍ مِنَ اللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ	وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ
یہ ہے، وہ نصیحت کرتا ہے جس کے ذریعہ	اس کو جو ہے (کہ)	وہ ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور آخری دن پر	اور جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ کا
يَجْعَلُ لَهُ	مَخْرَجًا	وَيَرْزُقُهُ	مِنْ حَيْثُ
تو وہ بنا دے گا اس کے لیے	(مشکلات سے) نکلنے کی کوئی جگہ (راستہ)	اور وہ روزی دے گا اس کو	وہاں سے جہاں سے
وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ	فَهُوَ حَسْبُهُ	إِنَّ اللَّهَ	بَالِغٌ أَمْرِهِ
اور جو بھروسہ کرے گا اللہ پر	تو وہ کافی ہوگا اس کو	یقیناً اللہ	اپنے کام کا پونچھ والا (پورا کرنے والا) ہے
قَدْ جَعَلَ اللَّهُ	لِكُلِّ شَيْءٍ	قَدْرًا	
بنادیا ہے اللہ نے	ہر چیز کے لیے	ایک اندازہ	



سابق سورۃ التغابن کی آیات 14 تا 16 میں یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ آدمی کے بیوی بچے اس کے لیے بڑی آزمائش ہیں۔ ۱۹۹۶ء کو کتنا رہے تو ان کی محبت میں گرفتار ہو کر وہ اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی سے جی چرانے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ چیز سے نفاق میں مبتلا کر دیتی ہے اور اس طرح ان کے ساتھ دوستی خود اپنے ساتھ دشمنی بن جاتی ہے۔ ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی فرمائی کہ ان سے چوکنار ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بالکل ہی قطع تعلق کر لے بلکہ تا حد امکان اس طرح عفو و درگزر کا معاملہ رکھے کہ ان کی اصلاح بھی ہو اور اپنے کو ان کے ضرر سے محفوظ بھی رکھ سکے۔ سورۃ تغابن کے بعد دوسو سورتوں، الطلاق اور التحريم، میں اسی نازک مسئلہ کی مزید وضاحت فرمائی ہے اور نفرت و محبت، دونوں طرح کے حالات میں صحیح رویہ کے حدود معین کر دیئے تاکہ کسی بے اعتدالی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ سورۃ طلاق میں بتایا کہ بیوی سے کسی سبب سے نفرت پیدا ہو جائے تو اس کے معاملہ میں کس طرح حدود اللہ کی پابندی کا اہتمام کرے۔ اور سورۃ التحريم میں یہ واضح فرمایا ہے کہ محبت میں کس طرح اپنے آپ کو اور ان کو حدود اللہ کا پابند رکھنے کی کوشش کرے۔ (تدبر قرآن، ج ۸، ص ۴۲۹-۴۳۰)

نوٹ: 1

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے صراحت فرمائی ہے کہ اس سورۃ کا نزول سورہ بقرہ کی اُن آیات کے بعد ہوا ہے جن میں طلاق کے احکام تین مرتبہ دیئے گئے تھے۔ اگرچہ یہ تعین کرنا مشکل ہے کہ اس کا ٹھیک زمانہ نزول کیا ہے لیکن روایات سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جب سورہ بقرہ کے احکام کو سمجھنے میں لوگ غلطیاں کرنے لگے تب اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے یہ ہدایات نازل فرمائیں۔ ان ہدایات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اُن ہدایات کو پھر سے ذہن میں تازہ کر لیا جائے جو طلاق اور عدت کے متعلق اس سے پہلے قرآن مجید میں بیان ہو چکی ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ سورۃ طلاق اُن قاعدوں میں سے کسی قاعدے کو منسوخ کرنے یا اس میں ترمیم کرنے کے لیے نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ دو مقاصد کے لیے نازل ہوئی ہے۔ ایک یہ کہ مرد کو طلاق کا جو اختیار دیا گیا ہے اسے استعمال کرنے کے ایسے طریقے بتائے جائیں جن سے حتی الامکان علیحدگی کی نوبت نہ آئے اور اگر آئے تو ایسی حالت میں آئے جبکہ باہمی موافقت کے سارے امکانات ختم ہو چکے ہوں، دوسرا مقصد یہ ہے کہ سورۃ بقرہ کے احکام کے بعد جو مزید مسائل جواب طلب باقی رہ گئے تھے ان کا جواب دے کر اسلام کے عائلی قانون کے اس شعبہ کی تکمیل کر دی جائے۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۵۵۰-۵۵۲)

نوٹ: 2

جاہلیت میں طلاق کا عام طریقہ یہ رہا ہے کہ جس کو بیوی پر کسی سبب سے غصہ آیا، وہ متانج و عواقب کا لحاظ کیے بغیر، ایک ہی سانس میں تین ہی نہیں بلکہ ہزاروں طلاقیں دے کر بیوی کو گھر سے نکال دیتا۔ اس طریقہ طلاق میں عورت، مرد، بچوں بلکہ پورے کنبہ کے لیے یہ مضرتیں ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر ہدایت فرمائی کہ جب طلاق دینے کی نوبت آئے تو وہ عدت کے حساب سے طلاق دے۔ اور اس عدت کا شمار رکھے۔ اس عدت کا شمار میاں اور بیوی دونوں کے لیے ضروری ہے۔ بیوی کے لیے اس وجہ سے ضروری ہے کہ عدت کے دوران وہ کسی اور مرد کی زوجیت میں نہیں جاسکتی۔ میاں کے لیے اس وجہ سے ضروری ہے کہ عدت کے دوران اگر وہ چاہے تو مراجعت کر لے۔ عدت گزر جانے کے بعد اس کا یہ حق ختم ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں اس دوران میں اگر معلوم ہوا کہ بیوی حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل تک ہو جائے گی اور اس دوران میں عورت کے نان و نفقہ اور اس کی رہائش کی ساری ذمہ داری مرد پر ہوگی۔

اس عدت کے دوران نہ تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ ان کو گھر سے نکالو اور نہ بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ وہاں سے نکل کھڑی ہوں، بلکہ دونوں یکجا ایک ہی گھر میں رہیں تاکہ باہمی سازگاری اور اصلاح احوال کی کوئی گنجائش ہو تو یہ یکجائی اس میں مددگار ہو۔ طلاق ایک مجبوری کا علاج ہے لیکن جائز چیزوں میں اللہ کے نزدیک یہ سب سے زیادہ مکروہ ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے بندوں کو اس سے بچانے کے لیے طلاق پر عدت کی شرط عائد کی ہے اور یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ اس مدت میں میاں بیوی ایک ہی گھر میں رہیں تاکہ دونوں ٹھنڈے دل سے سوچ کر فیصلہ کر سکیں کہ آخری قدم اٹھانے سے پہلے اصلاح احوال کا کوئی امکان ہے یا نہیں۔ یہاں گھر سے نکلنے سے مراد وہ نکلنا نہیں ہے جو معمول



کے مطابق اپنی ضروریات کے لیے ہوا کرتا ہے، بلکہ وہ نکلنا ہے جو کسی گھر کو خیر باد کہنے کے معنی میں ہوتا ہے۔ (تذکر قرآن - ج ۸، ص: ۴۳۵)

8860

(۴۳ تا ۴۴)

آیت نمبر (4 تا 7)

ترجمہ

وَالْحَيْضِ	مِنَ الْمَجْزِيِّ	مِنْ نِسَائِكُمْ	إِنْ أَنْتَبْتُمْ
اور وہ عورتیں جو	حیض سے	تمہاری عورتوں میں سے	(ان کے بارے میں) اگر تم لوگ شک میں ہو

فَعِدَّتُهُنَّ	ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ ۖ	وَالْحَيْضِ	لَمْ يَحْضَنْ ط	وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ	أَجَلَهُنَّ
تو (جان لو کہ) ان کی عدت	تین مہینے ہے	اور ان کی (بھی) جن کو	حیض ہوا ہی نہیں	اور حملوں والیاں	ان کی مدت ہے

أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط	وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهَ	يَجْعَلْ لَهُ	مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۝
کہ وہ رکھ دیں اپنا بوجھ (بچہ جن لیں)	اور جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ کا	تو وہ بنا دے گا اس کے لیے	اس کے معاملہ میں آسانی

ذَلِكَ أَمْرُ اللَّهِ	أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ ط	وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهَ	يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ
یہ اللہ کا حکم ہے	اس نے اتارا اس (حکم) کو تمہاری طرف	اور جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ کا	تو وہ دور کر دے گا اس سے اس کی برائیوں کو

وَيُعْظِمُ لَهُ أَجْرًا ۝	أَسْكِنُوهُنَّ	مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ	مِنْ وَجْهِكُمْ
اور وہ عظیم کرے گا اس کے لیے اجر کو	تم لوگ سکونت دو ان خواتین کو	وہاں جہاں تم نے سکونت اختیار کی	اپنی صلاحیت میں سے

وَلَا تُضَاوِرُوهُنَّ	لِتَضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ط	وَأَنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمَلٍ	فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ
اور تکلیف مت دو ان کو	تاکہ تم لوگ تنگی کرو ان پر	اور اگر وہ ہوں حمل والیاں	تو تم لوگ خرچ کرو ان پر

حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ	فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ	فَاتَّوَهُنَّ أَجُورَهُنَّ ۚ
یہاں تک کہ وہ جنیں اپنا بچہ	پھرا اگر وہ دودھ پلائیں (بچے کو) تمہارے لیے	تو تم لوگ دو ان کی اجرتیں

وَأَتِمُّوا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ ۚ	وَإِنْ تَعَاَسَرْتُمُ	فَسَتَرْضَعُ لَكُمْ	أُخْرَى ۝
اور مشورہ کرو آپس میں کسی بھلائی کا	اور اگر باہم ضد کرو گے	تو دودھ پلائے گی اس کے لیے	کوئی دوسری (عورت)

لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ	مِنْ سَعَتِهِ ط	وَمَنْ	قَدِرَ عَلَيْهِ	رِزْقُهُ
چاہے کہ خرچ کرے وسعت والا	اپنی وسعت میں سے	اور وہ	ناپا تو لا گیا جس پر	اس کے رزق کو

فَلْيُنْفِقْ مِمَّا	أَنْشَأَ اللَّهُ ط	لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا
تو چاہیے کہ وہ خرچ کرے اس میں سے جو	دیا اس کو اللہ نے	ذمہ داری نہیں ڈالتا اللہ کسی جان پر

إِلَّا مِمَّا أَنْشَأَ ط	سَيَجْعَلُ اللَّهُ	بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۝
سوائے اس کے جو اس نے دیا اس کو	بنادے گا اللہ	تنگی کے بعد آسانی



عدت طلاق عام حالات میں تین حیض پورے ہیں، جس کا بیان سورہ بقرہ میں ہو چکا ہے۔ لیکن وہ عورتیں جن کو عمر زیادہ ہو یا کسی بیماری کے سبب سے حیض آنا بند ہو چکا ہو یا وہ عورتیں جن کو کم عمری کے سبب سے ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا ہو، تو ان کی عدت آیت 4- میں تین حیض کے بجائے تین مہینے مقرر فرمادی اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل قرار دی ہے چاہے وہ کتنے ہی دنوں میں ہو۔ اس آیت میں **اِنْ اَرْتَبْتُمْ** (اگر تمہیں شک ہو) سے مراد یہ ہے کہ اصل عدت حیض سے شمار ہوتی ہے اور ان عورتوں کا حیض بند ہے تو پھر عدت شمار کیسے ہوگی۔ یہ تردد مراد ہے۔ (معارف القرآن)

نوٹ: 1

زیر مطالعہ آیات 2- 5 تا 5 میں تقویٰ کے فضائل و برکات کا بیان آیا ہے۔ اس کا خلاصہ پانچ چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ متقی کے لیے دنیا و آخرت کے مصائب و مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے لیے رزق کے ایسے دروازے کھول دیتا ہے جن کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں جاتا۔ تیسرے یہ کہ اس کے سبب کاموں میں آسانی پیدا فرمادیتا ہے۔ چوتھے یہ کہ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ پانچویں یہ کہ اس کا اجر بڑھا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ سورہ انفال کی آیت 29- میں تقویٰ کی یہ برکت بھی بتلائی گئی ہے کہ اس کی وجہ سے حق و باطل کی پہچان آسان ہو جاتی ہے۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 2

آیت نمبر (8 تا 12)

آیت 10- **الَّذِينَ آمَنُوا** کے دو امکان ہیں۔ ایک یہ کہ اس کو **يُؤْتِي** سے متعلق مانا جائے ایسی صورت میں اس پر جملہ ختم ہوگا اور **قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ** سے نیا جملہ شروع ہوگا اور مطلب ہوگا اے وہم و جذبات سے پاک عقل والو جو ایمان لائے ہو۔ دوسرا امکان یہ ہے کہ پہلا جملہ **يُؤْتِي** سے نیا جملہ شروع کیا جائے۔ ایسی صورت میں **الَّذِينَ** سے پہلے حرف ندا **يَا أَيُّهَا** محذوف مانا ہوگا اور مطلب ہوگا اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ نازل کر چکا ہے۔ ترجمہ میں ہم پہلی صورت کو ترجیح دیں گے۔ (آیت 11- **رَسُولًا** کی نصب کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ اس کو سابقہ آیت میں **ذِكْرًا** کا بدل مانا جائے۔ ایسی صورت میں مطلب ہوگا کہ وہ ذکر خود رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ **رَسُولًا** کو کسی فعل محذوف کا مفعول مانا جائے۔ ترجمہ میں ہم دوسری رائے کو ترجیح دیں گے اور **رَسُولًا** سے پہلے **وَقَدْ أَرْسَلْنَا** محذوف مانیں گے۔ (آیت 12- **مِثْلَهُنَّ** مثنیٰ کی نصب بتا رہی ہے کہ یہ **خَلْقٌ** کا مفعول ہے۔ اس کے ساتھ جمع مؤنث کی ضمیر **هُنَّ** آئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ضمیر **الْأَرْضِ** کے لیے نہیں ہے بلکہ **سَبْعَ سَلْوَاتٍ** کے لیے ہے۔

ترکیب

ترجمہ

وَكَايِنٍ مِّنْ قَرْيَةٍ	عَتَّتْ	عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا	وَرُسُلِهِ	فَحَاسِبْنَهَا
اور کتنی ہی ہیں بستیوں میں سے	جنہوں نے سرکشی کی	اپنے رب کے حکم سے	اور اس کے رسولوں سے	تو ہم نے حساب لیا ان سے
حَسَابًا شَدِيدًا	وَعَذَابُهَا	عَذَابًا ثَكْرًا ①	فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا	
جیسے سخت حساب لینے کا حق ہے	اور ہم نے عذاب دیا ان کو	جیسے بُرا عذاب دینے کا حق ہے	پھر انہوں نے کچھی اپنے کیے کی سزا	
وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا	حُسْرًا ①	أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ	عَذَابًا شَدِيدًا ②	
اور ہے ان کے کام کا انجام	گھانا	تیار کیا اللہ نے ان کے لیے	ایک سخت عذاب	



فَاتَّقُوا اللَّهَ	يَا أُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ آمَنُوا	قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ
تو تقویٰ اختیار کرو	اے خالص عقل والو جو ایمان لائے	اتنا دیا ہے اللہ نے

رَبِّكُمْ	ذُكْرًا ۝	رَسُولًا	يَتْلُوا عَلَيْكُمْ	آيَاتِ اللَّهِ	مُبَيِّنَاتٍ
تمہاری طرف	ایک یاد دہانی (قرآن)	(اور بھیج دیا ہے) ایک ایسا رسول جو	پڑھ کر سنا تا ہے تم لوگوں کو	اللہ کی آیتیں	واضح ہوتے ہوئے

لِيُخْرِجَ الَّذِينَ	آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ	مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ط	وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ
تا کہ وہ نکالیں ان لوگوں کو جو	ایمان لائے اور عمل کی نیکیوں کے	اندھیروں سے نور کی طرف	اور جو ایمان لائے گا اللہ پر

وَيَعْمَلُ صَالِحًا	يُؤَدِّ خَلْفَهُ جَنَّتِ	تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا	الْأَنْهَارُ	خُلْدِينَ فِيهَا أَبَدًا ط
اور عمل کرے گانگی کا	تو وہ داخل کرے گا اس کو ایسے باغات میں	بہتی ہیں جن کے دامن سے	نہریں	رہنے والے ہوتے ہوئے ان میں ہمیشہ

قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ	رِزْقًا ۝	اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ	سَبْعَ سَمَاوَاتٍ	وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ ط
خوبی دی ہے اللہ نے ان کے لیے	رزق میں	اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیے	سات آسمان	اور زمین سے ان (آسمانوں) جیسی بھی (پیدا کیں)

يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ	لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ	عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ط
اترتے ہیں تمام احکام ان کے مابین	تا کہ تم لوگ جان لو کہ اللہ	ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے

وَ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ	بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ط
اور یہ کہ اللہ نے احاطہ کیا ہوا ہے	ہر چیز کا بلحاظ علم کے

نوٹ: 1 یَا أُولِي الْأَلْبَابِ کے بعد الَّذِينَ آمَنُوا سے یہ بات نکلتی ہے کہ عقل اور ایمان میں لازم و ملزوم کا رشتہ ہے۔ جو شخص عاقل ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ایمان سے بہرہ ور ہو۔ اگر کوئی شخص ایمان سے بہرہ ور نہیں ہے تو آسمان وزمین کا طول و عرض ناپنے میں وہ خواہ کتنا ہی ماہر ہو لیکن اس کی عقل میں بہت بڑا فتور ہے۔ (تدبر قرآن)۔ مولانا اصلاحی مرحوم کی اس بات کو سمجھنے کے لیے آیت نمبر۔ 2/ البقرة: 179) کی لغت میں مادہ ’ل ب ب‘ کو دوبارہ دیکھ لیں۔ لُب جس کی جمع الباب ہے، خالص عقل کو کہتے ہیں، یعنی ایسی عقل جو ہر طرح کے تعصبات، توہمات، جذبات اور ایسی دوسری آلائشوں سے پاک ہو۔ ایسی عقل میں اور ایمان میں لازم و ملزوم کا رشتہ ہے۔ لیکن اگر کسی عقل میں مذکورہ آلائشوں میں سے کوئی آلائش یا کچھ آلائشیں داخل ہو جائیں تو پھر ایسی عقل میں فتور واقع ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ذہن میں Blind Spots آجاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اس کی عقل کچھ چیزوں کو سمجھنے میں پوری طرح کام کرتی ہے لیکن کچھ چیزوں کو سمجھنے سے قاصر رہ جاتی ہے یا اگر سمجھتی ہے تو یہ آلائشیں اسے ان کا اعتراف اور اقرار کرنے سے روک دیتی ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہاں اولی العقل کے بجائے ایمان لانے والوں کو اولی الالباب کہا گیا ہے۔ (مرتب)

نوٹ: 2 مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ کا مطلب یہ ہے کہ جہالت کی تاریکیوں سے علم کی روشنی میں نکال لائے۔ اس ارشاد کی پوری اہمیت اُس وقت سمجھ میں آتی ہے جب انسان طلاق، عدت اور نفقات کے متعلق دنیا کے دوسرے قدیم اور جدید عالمی قوانین کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس تقابلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بار بار کی تبدیلیوں اور نئی قانون سازیوں کے باوجود آج تک کسی قوم کو ایسا معقول اور فطری اور معاشرے کے لیے فطری



قانون میسر نہیں آسکا جیسا اس کتاب اور اس کے لانے والے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈیڑھ ہزار برس پہلے ہم کو دیا تھا۔ یہاں اس نقابلی بحث کا موقع نہیں ہے۔ اس کا محض ایک مختصر سا نمونہ ہم نے اپنی کتاب ”حقوق الزوجین“ کے آخری حصہ میں درج کیا ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 3

مِثْلَهُنَّ (انہی کی مانند) کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جتنے آسمان بنائے اتنی ہی زمینیں بھی بنائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسے متعدد آسمان اس نے بنائے ہیں ویسی ہی متعدد زمینیں بھی بنائی ہیں۔ وَوَجِیۡنَ الْاَرْضِ (اور زمین کی قسم سے) کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ زمین جس پر انسان رہتے ہیں، اپنی موجودات کے لیے فرش اور گہوارہ بنی ہوئی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اور زمینیں بھی تیار کر رکھی ہیں جو اپنی اپنی آبادیوں کے لیے فرش اور گہوارہ ہیں بلکہ بعض مقامات پر تو قرآن میں یہ اشارہ بھی کر دیا گیا ہے کہ جاندار مخلوقات صرف زمین ہی پر نہیں ہیں بلکہ عالم بالا میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ شوریٰ آیت - 29۔ بالفاظ دیگر آسمان میں یہ جو بے شمار تارے اور سیارے نظر آتے ہیں یہ سب ویران نہیں ہیں بلکہ زمین کی طرح ان میں بھی بکثرت ایسے ہیں جن میں دنیا میں آباد ہیں۔

قدیم مفسرین میں صرف ابن عباسؓ ایک ایسے مفسر ہیں جنہوں نے اُس دور میں اس حقیقت کو بیان کیا تھا جب آدمی اس کا تصور تک کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوتا تھا کہ کائنات میں اس زمین کے سوا کہیں اور بھی ذی عقل مخلوق بستی ہے۔ آج اس زمانے کے سائنس دانوں تک کو اس کے امر واقعہ ہونے میں شک ہے، کجا کہ چودہ سو برس پہلے کے لوگ اسے باور کر سکتے۔ اسی لیے ابن عباسؓ عام لوگوں کے سامنے یہ بات کہتے ہوئے ڈرتے تھے۔ ان کی تفسیر یہ ہے ”اُن میں سے ہر زمین میں نبی ہے تمہارے نبی جیسا اور آدم ہے تمہارے آدم جیسا اور نوح ہے تمہارے نوح جیسا اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیم جیسا اور عیسیٰ ہے تمہارے عیسیٰ جیسا۔“ امام ذہبی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے البتہ اسے صرف ایک راوی نے روایت کیا ہے اس لیے یہ ایک شاذ روایت ہے۔ (وجہ ظاہر ہے ابن عباسؓ اسے عام طور پر بیان نہیں کرتے تھے۔ اور اغلباً سننے والے بھی اس قول کو نقل کرنے سے گریز کرتے ہوں گے۔ مرتب) بعض دوسرے علماء نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ علامہ آلوسی اپنی تفسیر میں اس قول پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ”اس کو صحیح ماننے میں نہ عقلاً کوئی چیز مانع ہے نہ شرعاً۔ مراد یہ ہے کہ ہر زمین میں ایک مخلوق ہے جو ایک اصل کی طرف اسی طرح راجع ہوتی ہے جس طرح بنی آدم ہماری زمین میں حضرت آدمؑ کی طرف راجع ہوتے ہیں ہر زمین میں ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو اپنے ہاں دوسروں کی بہ نسبت اُسی طرح ممتاز ہیں جیسے ہمارے ہاں نوحؑ اور ابراہیمؑ ممتاز ہیں۔“ آگے چل کر علامہ موصوف لکھتے ہیں ”ممکن ہے کہ زمینیں سات سے زیادہ ہوں اور اسی طرح آسمان بھی سات ہی نہ ہوں۔ سات کے عدد پر، جو عدد تام ہے، اکتفا کرنا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس سے زائد کی نفی ہو۔“ پھر بعض احادیث میں ایک ایک آسمان کی درمیانی مسافت جو پانچ پانچ سو برس بیان کی گئی ہے اس کے متعلق علامہ موصوف کہتے ہیں کہ اس سے مراد ٹھیک ٹھیک مسافت کی پیمائش بیان کرنا نہیں ہے بلکہ مقصود بات کو اس طرح بیان کرنا ہے کہ وہ لوگوں کی سمجھ سے قریب تر ہو۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ امریکہ کے رائڈ کارپوریشن نے فلکی مشاہدات سے اندازہ لگایا ہے کہ زمین جس گلیکسی میں واقع ہے صرف اُسی کے اندر تقریباً ساٹھ کروڑ ایسے سیارے پائے جاتے ہیں جن کے طبعی حالات ہماری زمین سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں اور امکان ہے کہ ان کے اندر بھی جاندار مخلوق آباد ہو۔ اکا نو مسٹ لندن۔ مورخہ۔ ۲۶۔ جولائی ۱۹۶۹ء۔ (تفہیم القرآن)۔

اوپر جس قول کا حوالہ دیا گیا ہے اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ ایک Visionary صحابی تھے۔ ان کے اس Vision کی تصدیق ان کے ایک دوسرے قول سے بھی ہوتی ہے۔ سورہ فاتحہ میں رَبِّ الْعَالَمِیۡنَ میں واحد لفظ عالم کے بجائے جمع عالمین آیا ہے۔ اس کے متعلق ان کا قول ہے کہ اللہ رب ہے اس عالم کا بھی جسے ہم جانتے ہیں اور ان تمام عالموں کا جنہیں ہم نہیں جانتے۔ (مرتب)



6860

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورة التحريم (66)

آیت نمبر (1 تا 5)

ترکیب

آیت-3) تَبَاتٌ کا فاعل اس میں شامل ہی کی ضمیر سے جو بَعْضُ اَزْوَاجِهِ کے لیے ہے۔ اس کا مفعول یہاں مذکور نہیں ہے جبکہ یہ کی ضمیر رازوالی بات کے لیے ہے۔ اَظْهَرَ کے ساتھ کی ضمیر مفعولی نبی کے لیے ہے اور عَکْبَهُ کی ضمیر راز فاش کرنے والی بات کے لیے ہے۔ عَرَّفَ کا فاعل اس میں شامل ہو کی ضمیر ہے جو نبی کے لیے ہے۔ بَعْضُهُ کی ضمیر اللہ کی دی ہوئی آگاہی کے لیے ہے۔ فَكَيْتًا تَبَاتًا یہ میں تَبَاتًا کا فاعل ہو کی ضمیر ہے جو نبی کے لیے ہے۔ اس کے ساتھ ہا کی ضمیر مفعولی بَعْضُ اَزْوَاجِ کے لیے ہے اور یہ کی ضمیر راز فاش کرنے والی بات کے لیے ہے۔ (آیت-4) اِنْ تَتَّوَبَا شَرَطَ ہے اور فَقَدْ صَغَتْ جواب شرط ہے۔ ترجمہ میں اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ وَاِنْ تَظْهَرَا عَکْبَهُ میں تَظْهَرَا باب تفاعل میں فعل ماضی کے تشنیہ مذکر غائب کا صیغہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ مضارع کے تشنیہ مؤنث غائب کا صیغہ تَتَّظْهَرَا اِنْ ہے۔ باب تفاعل اور تفاعل کے جن صیغوں میں دو تا آجاتی ہیں وہاں ایک تا کو گرا دینا جائز ہے۔ اس لیے یہاں ایک تا گری ہوئی ہے اور اِنْ شرطیہ کی وجہ سے نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ (آیت-5) یُبْدِلُہُ میں لہُ پر حرف جاڑہ والا لام نہیں ہے بلکہ یہ فعل کے مادہ ب دل والا لام ہے۔ یعنی یہ دراصل یُبْدِلُ ہُ ہے۔ مُسْبِلِیَّتٍ سے سَبَّحَتْ تک کی صفات کے درمیان میں کہیں بھی واؤ نہیں آئی ہے لیکن تَبَاتٍ اور اَبْكَارًا کے درمیان واؤ لائی گئی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مُسْبِلِیَّتٍ سے سَبَّحَتْ تک کی تمام صفات کسی ایک خاتون میں بیک وقت جمع ہو سکتی ہیں لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی خاتون ایک ہی وقت میں تَبَاتٍ میں سے بھی ہو اور اَبْكَارًا میں سے بھی۔ اس توجیہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے کس طرح قرآن کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کی چھان پھٹک کی ہے اور تدبر قرآن کا حق ادا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم ان کی عرق ریزیوں سے کما حقہ استفادہ کریں۔

ترجمہ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ	مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ	تَبَتَّغِي	مَرَضَاتٍ أَوْ أَجْحَاطٍ
اے نبی آپ کیوں حرام کرتے ہیں	اس کو جسے حلال کیا اللہ نے آپ کے لیے	آپ چھتجو کرتے ہیں	اپنی ازواج کے راضی ہونے کی
وَاللَّهُ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ①	قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ	تَحِلَّةَ آيَاتِنَا لَكُمْ	وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ
اور اللہ بے انتہا بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے	فرض کر دیا ہے اللہ نے آپ لوگوں کے لیے	اپنی قسموں کا کفارہ ادا کرنے کو	اور اللہ ہی آپ لوگوں کا کارساز ہے
وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ①	وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ	إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ	حَدِيثًا
اور وہ ہی جاننے والا ہے حکمت والا ہے	اور جب رازدارانہ بتائی نبی نے	اپنی ازواج کی کسی کو	ایک بات



فَلَمَّا تَبَاكَتْ	یہ	وَ أَظْهَرَهُ اللَّهُ	عَلَيْهِ 6860
پھر جب انہوں نے بتا دیا (کسی کو)	اس (راز) کے بارے میں	اور آگاہ کیا ان کو اللہ نے	اس (راز فاش ہونے) پر

عَرَفَ	بَعْضُهُ	وَ أَعْرَضَ عَنْهُ بَعْضٌ
تو آپ نے بتایا	اس (آگاہی) کے بعض کو	اور اعراض کیا بعض سے

فَلَمَّا تَبَايَعَا	یہ	قَالَتْ	مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا
پھر جب آپ نے جتلیا یا ان (زوجہ) کو	اس کے بارے میں	تو انہوں (زوجہ) نے کہا	کس نے خبر دی آپ کو اس کی

قَالَ تَبَايَعَا	الْعَلِيمِ الْخَبِيرِ ⑩	إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ	فَقَدْ صَعَتِ
آپ نے کہا بتلایا مجھ کو	اُس علیم خبیر (ہستی) نے	اگر تم دونوں توبہ کرو اللہ کی طرف	تو مائل تو ہو چکے ہیں

قُلُوبِكُمْ ⑪	وَ إِنْ تَظْهَرَا	عَلَيْهِ	فَإِنَّ اللَّهَ
تم دونوں کے دل	اور اگر تم دونوں باہم مدد کروگی	ان (نبی) کے خلاف	تو بیشک اللہ (جو) ہے

هُوَ مَوْلَاهُ	وَ جَبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑫	وَ الْمَلَائِكَةُ	بَعْدَ ذَلِكَ
وہ ہے ان کا کارساز	اور جبریل اور مومنوں کا صالح (بھی)	اور فرشتے	اس کے بعد

ظَهِيْرٌ ⑬	عَلَى رُبَّةٍ	إِنْ طَلَّقْتِكُنَّ	أَنْ يُبْدِلَكَ
مددگار ہیں	قریب ہے ان کا رب	اگر وہ طلاق دیں تم عورتوں کو	کہ وہ بدلہ میں دے ان کو

أَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُمْ	مُسْلِمَاتٍ	مُؤْمِنَاتٍ	قَانِتَاتٍ	تَّيْبَاتٍ
ایسی بیویاں جو بہتر ہوں گی تم سے	حق کو قبول کرنے والیاں	ایمان لانے والیاں	اطاعت کو لازم کرنے والیاں	توبہ کرنے والیاں

عِبَدَاتٍ	نَسِيْحَاتٍ	تَّيْبَاتٍ	وَ أَبْكَارًا ⑭
عبادت کرنے والیاں	روزے دار ہونے والیاں	شوہر آشنا ہونے والیاں ہوتے ہوئے	اور (یا) کنواریاں ہوتے ہوئے

نوٹ: 1 حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ عصر کے بعد تمام ازواج مطہرات کے پاس چکر لگاتے تھے۔ ایک موقع پر آپؐ حضرت زینبؓ کے ہاں زیادہ دیر تک بیٹھنے لگے، کیونکہ ان کے ہاں کہیں سے شہد آیا ہوا تھا اور آپؐ وہاں شہد کا شربت نوش فرماتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ مجھ کو اس پر رشک آیا اور میں نے حضرت حفصہؓ، حضرت سودہؓ اور حضرت صفیہؓ سے مل کر یہ طے کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی آپؐ آئیں وہ آپؐ سے یہ کہے کہ آپ کے منہ سے مغفیر کی بو آتی ہے۔ مغفیر ایک قسم کا پھول ہوتا ہے جس میں کچھ بساند ہوتی ہے اور اگر شہد کی مکھی اس سے شہد حاصل کرے تو اس کے اندر بھی اس بساند کا اثر آجاتا ہے۔ جب متعدد بیویوں نے یہ کہا تو آپؐ نے عہد کر لیا اب یہ شہد استعمال نہیں کریں گے۔ (تفہیم القرآن)۔ آیت 1 میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

نوٹ: 2 اوپر کی آیت میں خطاب صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا جبکہ آیت 2 میں عام مسلمانوں سے خطاب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول



اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹوکنے سے اصل مقصود یہ تھا کہ اس کے سبب سے اُمت کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔ چنانچہ اس آیت میں تمام مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے اوپر کسی جائز چیز کو حرام کرنے کی قسم کھا بیٹھے تو اللہ نے اس کے لیے یہ ضروری ٹھہرایا ہے کہ وہ اس قسم کو توڑ دے۔ اور کفارہ کا حکم المائدہ کی آیت۔ 89 میں بیان ہو چکا ہے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 3

آیت۔ 3۔ میں قرآن نے اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا راز کی بت کہی اور کس بیوی سے کہی۔ قرآن نے اس کو پردے ہی میں رکھا ہے۔ اس وجہ سے ہم اس راز کے درپے ہونا جائز نہیں سمجھتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہمارے لیے ماؤں کی منزلت میں ہیں۔ بیٹوں کے لیے یہ بات کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنی ماؤں کے رازوں کے کھوج میں لگیں۔ بالخصوص جب کہ اس راز کے انکشاف سے اس آیت کے فہم میں کوئی مدد بھی نہ مل رہی ہو۔ یہاں راز کو فاش کرنے پر ہی تنبیہ کی گئی ہے۔ اب اگر ہم اس کے درپے ہوں گے تو اس کے معنی یہ ہونے کہ جس چیز سے روکا گیا ہے، ہم نے اسی کا ارتکاب کیا۔ (تدبر قرآن)۔

راز ظاہر کرنے پر یہاں اس لیے ٹوکا گیا ہے کہ نہ صرف ازواج مطہرات بلکہ مسلم معاشرے کے تمام ذمہ دار لوگوں کی بیویوں کو رازوں کی حفاظت کی تربیت دی جائے۔ آیت میں اس سوال کو قطعی نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ جس راز کی بات کو افشا کیا گیا تھا وہ کوئی اہمیت رکھتی ہے یا نہیں اور اس کے افشا سے کسی نقصان کا خطرہ تھا یا نہیں۔ گرفت اس امر پر کی گئی ہے کہ راز کی بات کو دوسرے سے بیان کر دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی ذمہ دار ہستی کے گھر والوں میں اگر یہ کمزوری موجود ہو تو آج ایک غیر اہم راز افشا ہوا ہے، کل کوئی اہم راز افشا ہو سکتا ہے۔ کسی وقت بھی یہ کمزوری کسی بڑے خطرے کا سبب بن سکتی ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (6 تا 9)

ترجمہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	قُوا	أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا	وَقُودَهَا
اے لوگو جو ایمان لائے	تم لوگ بچاؤ	اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو ایک ایسی آگ سے	جس کا ایندھن
النَّاسِ وَالْحِجَارَةِ	عَلَيْهَا مَلَكَةٌ	عَلَاظٌ شِدَادٌ	لَا يَعْصُونَ اللَّهَ
انسان اور پتھر ہیں	اس (آگ) پر ایسے فرشتے (مقرر) ہیں جو	انتہائی سخت ہیں	وہ نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی
مَا أَمَرَهُمْ	وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ①	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا	لَا تَعْتَنُوا رُؤُوسَ الْيَوْمِ ط
اس میں جو اس نے حکم دیا ان کو	اور کرتے ہیں وہ (ہی) جو انہیں حکم دیا گیا	اے لوگو جنہوں نے انکار کیا	تم لوگ بہانے مت گھڑو آج کے دن
إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا	كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ②	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	تُؤْتُوا إِلَى اللَّهِ
تم کو تو بس بدلہ دیا جاتا ہے وہی جو	تم لوگ کیا کرتے تھے	اے لوگو جو ایمان لائے	تم لوگ توبہ کرو اللہ سے
تُؤْتِبَهُ لَكُمْ صَوْحًا ط	عَلَيْ رَبِّكُمْ	سَيِّئَاتِكُمْ	وَيَدْخِلْكُمْ
انتہائی خالص توبہ	قریب ہے تمہارا رب	تمہاری برائیوں کو	اور وہ داخل کر دے تم کو
تُؤْتِبَهُ لَكُمْ صَوْحًا ط	يَوْمَ	لَا يُخْزِي اللَّهُ	وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ٥
بہتی ہیں جن کے دامن سے نہریں	اس دن جب	رسو انہیں کرے گا اللہ	اور ان کو جو ایمان لائے ان کے ساتھ



نُورُهُمْ يَسْعَى	بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ	يَقُولُونَ رَبَّنَا	أَتُحِبُّ لَنَا نُورًا 8860
ان کا نور دوڑتا ہوگا	ان کے آگے اور ان کے داہنی جانب	وہ لوگ کہتے ہوں گے اے ہمارے رب	تو پورا کر دے ہمارے لیے ہمارے نور کو
وَاعْفُورَنَا	إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ①	يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ	الْكَفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ
اور تو بخش ہمارے لیے (ہمارے گناہوں کو)	بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے	اے نبی آپ جہاد کریں	کافروں اور منافقوں سے
وَاعْلَظْ عَلَيْهِمْ ط	وَمَا لَهُمْ حَهِيمٌ ط	وَبِئْسَ الْبَصِيرُ ②	
اور آپ سختی کریں ان پر	اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے	اور کتنی بری ہے (وہ) لوٹنے کی جگہ	

آیت - (7) بتا رہی ہے کہ ایک شخص کی ذمہ داری صرف اپنی ذات ہی کو خدا کے عذاب سے بچانے کی کوشش تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا کام یہ بھی ہے کہ نظام فطرت نے جس خاندان کی سربراہی کا بار اس پر ڈالا ہے اس کو بھی وہ اپنی حد استطاعت تک ایسی تعلیم و تربیت دے جس سے وہ خدا کے پسندیدہ انسان بنیں اور اگر وہ جہنم کی راہ پر جا رہے ہوں تو جہاں تک بھی اس کے بس میں ہو، ان کو اس سے روکنے کی کوشش کرے۔ اس کو صرف یہی فکر نہیں ہونی چاہیے کہ اس کے بچے دنیا میں خوشحال ہوں، بلکہ اس سے بڑھ کر اسے یہ فکر ہونی چاہیے کہ وہ آخرت میں جہنم کا ایندھن نہ بنیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ”تم میں سے ہر ایک راعی (چرواہا) ہے اور ہر ایک اپنی رعیت (گٹلے) کے بارے میں جوابدہ ہے۔ حکمران راعی ہے اور وہ اپنی رعیت (رعایا) کے معاملہ میں جوابدہ ہے۔ مراد اپنے گھر والوں کا راعی ہے اور وہ ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔ اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی راعی ہے اور وہ ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔“ (تفسیر القرآن)۔

نوٹ: 1

تَوْبَةً نَّصُوبًا کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ ریا اور نمود سے خالص ہو۔ محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوفِ عذاب سے گناہ پر نادم ہو کر توبہ کی ہو۔ حضرت علیؓ سے سوال کیا گیا کہ توبہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس میں چھ چیزیں جمع ہوں۔ (۱) اپنے گزشتہ برے عمل پر ندامت (۲) جو فرائض واجبات اللہ تعالیٰ کے چھوٹے ہوں ان کی قضا (۳) کسی کا مال وغیرہ ظلماً لیا تھا تو اس کی واپسی۔ (۴) کسی کو ہاتھ یا زبان سے تکلیف پہنچائی تھی تو اس سے معافی (۵) آئندہ وہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم و ارادہ (۶) اور یہ کہ جس طرح اس نے اپنے نفس کو اللہ کی نافرمانی کرتے دیکھا، اسی طرح اب وہ اسے اللہ کی اطاعت کرتے دیکھ لے۔ حضرت علیؓ نے جو توبہ کی شرائط بیان کی ہیں وہ سب کے ہی نزدیک مسلم ہیں۔ بعض نے مختصر اور بعض نے مفصل بیان کر دیا ہے۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 2

آیت نمبر (10 تا 12)

(آیت - 10) حَضَرَ بَ كَامِفْعُولِ ہونے کی وجہ سے مَثَلًا حالتِ نصب میں ہے، جبکہ اَمْرَاتُ كِي نَصْبِ مَثَلًا كَا بَدَلِ ہونے کی وجہ سے ہے۔ ایک نوٹ کرنے والی بات یہ ہے ان آیات زیر مطالعہ میں تینوں جگہ اَمْرَاتُ كَا كُوْلُ تے سے لکھنے کے بجائے اَمْرَاتُ كَا لَكْهَا كِيَا ہ۔ قرآن مجید میں کوئی - 16 - 17 - مقامات پر اس کو لمبی تے سے لکھا گیا ہے۔ عام رائے یہ ہے کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن قاری حضرات کا کہنا ہے کہ قراءت میں فرق پڑتا ہے۔ جہاں یہ لفظ گول تے سے لکھا ہے وہاں اگر سانس ٹوٹنے کی وجہ سے وقف کرنا ہو تو چھوٹی ہاکی آواز کے ساتھ اَمْرَاتُ كَا كُوْلُ تے سے لکھا ہے وہاں تا کی آواز کے ساتھ امرات کہہ کر وقف کریں گے پھر پیچھے سے ملا کر پڑھنا شروع کر دیں گے۔

ترکیب



لیکن حال ہی میں اس کی ایک اور وجہ سامنے آئی ہے۔ اسلام سے پانچ سو سال قبل کی نبطیوں کی Inscriptions (کندہ تحریریں) دریافت ہوئی ہیں، جہاں سے عربی رسم الخط آیا ہے۔ ان کے ہاں گول تے (ة) کو لمبی تے (ت) سے لکھنا ثابت ہے۔ اس لیے عربی زبان کے عبوری دور میں لمبی اور گول تے میں تمیز کرنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔ بعد میں کوفہ اور بصرہ میں جب عربی گرامر مرتب کرنے کا کام ہوا، اس وقت یکسانیت پیدا کرنے کی غرض سے ان کے بھی قاعدے طے کیے گئے۔

دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ صَالِحِينَ (جمع کا صیغہ) نہیں آیا ہے بلکہ صَالِحِينَ (تثنیہ کا صیغہ) آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ عبادتِ خدا کی صفت نہیں ہے بلکہ عَبْدَیْنِ کی صفت ہے۔ یَغْنِیَا میں شامل ہما کی ضمیر فاعلی عَبْدَیْنِ کے لیے ہے جبکہ عَنْهُمَا کی ضمیر دونوں خواتین کے لیے ہے۔ آیت - 11) رَبِّ ابْنِ ابْنِ لَفْظِ ابْنِ (بیٹا نہیں ہے بلکہ یہ مادہ 'ب ن ی' کا فعل امر ہے۔ اس کی اصل شکل ابْنِی ہے۔ قاعدے کے مطابق مجزوم ہونے کی وجہ سے یا گر جاتی ہے تو ابْنِ استعمال ہوتا ہے۔ (آیت - 12) كَانَتْ مَوْنَتْ ہے اس لحاظ سے اس کی خبر مِنَ الْقَنْدِیْنِ آئی چاہیے تھی مگر مذکر قانتین آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قانتون کے لفظ میں مرد اور عورت سب شامل ہیں اس لیے قانتین لانا بھی جائز ہے۔ (حافظ احمد یار صاحب مرحوم کے ترجمہ قرآن کیسٹ سے ماخوذ۔ ان کیسٹوں کی ریکارڈنگ ۱۹۸۷ یا ۱۹۸۸ء میں ہوئی تھی)

ترجمہ

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا	لِّلَّذِينَ كَفَرُوا	اُمْرَاتٍ نُّوحٍ وَّ اُمْرَاتٍ لُّوطٍ	كَانَتَا
بیان کرتا ہے اللہ ایک مثال	ان کے لیے جنہوں نے کفر کیا	نوح کی عورت (بیوی) اور لوط کی عورت (بیوی) کی	وہ دونوں تھیں
تَحْتِ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحِينَ	وَحَا نْتَهُمَا		
ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے تحت	پھر ان دونوں (خواتین) نے خیانت کی ان دونوں (بندوں) سے		
فَلَمْ یُغْنِیَا	عَنْهُمَا	مِنَ اللّٰهِ	وَقَبِیْلَ اَدْخِلَا النَّارَ
تو وہ دونوں (بندے) کام نہ آئے	ان دونوں (خواتین) کے	اللہ سے (چھڑانے میں)	اور کہا گیا تم دونوں داخل ہوا گ میں
مَعَ الدُّخِلِیْنَ ۝	وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا	لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اُمْرَاتٍ فِرْعَوْنَ ۝
داخل ہونے والوں کے ساتھ	اور بیان کرتا ہے اللہ ایک مثال	ان کے لیے جو ایمان لائے	فرعون کی عورت (بیوی) کی
اِذْ قَالَتْ رَبِّ	اِبْنِیْ	عِنْدَكَ	بِیْتًا فِی الْجَنَّةِ
جب اس (خاتون) نے کہا اے میرے رب	تو تعمیر کر دے میرے لیے	اپنے پاس	ایک گھر جنت میں
وَنَجِّنِیْ	مِن فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ	وَنَجِّنِیْ	مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ ۝
اور تو نجات دے مجھ کو	فرعون اور اس کے عمل سے	اور تو نجات دے مجھ کو	اس ظالم قوم سے
وَمَرِیْمَ	اِبْنَتِ عِمْرَانَ	الَّتِیْ	اِحْصَنَتْ
اور مریم کی (مثال)	جو عمران کی بیٹی تھیں	وہ (بیٹی) جنہوں نے	حفاظت کی
فَرَجَهَا	مِن رُّوحِنَا	وَصَدَقَتْ	بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا
اپنی عصمت کی	اپنی روح میں سے	اور انہوں نے تصدیق کی	اپنے رب کے فرمانوں کی



وَكَاثُ مِنَ الْقَدِيْبِيْنَ ۝۱۷	وَكُتْبِهِ
6860 اور وہ تھیں فرمانبرداری کرنے والوں میں سے	اور اس کی کتابوں کی

نوٹ: 1

آیت - 10 میں خیانت اس معنی میں نہیں ہے کہ وہ بدکاری کی مرتکب ہوئی تھیں بلکہ اس معنی میں ہے کہ انہوں نے ایمان کی راہ میں حضرت نوٹ اور حضرت لوط کا ساتھ نہ دیا بلکہ ان کے مقابلہ میں دشمنانِ دین کا ساتھ دیتی رہیں۔ (تفہیم القرآن)۔

اس آیت میں مثال پیش کی ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کام آنے والی چیز آدمی کا اپنا عمل ہے۔ جس کے پاس حسن عمل کی پونجی ہوگی اس کو کسی بڑے سے بڑے کی نسبت بھی کچھ نفع پہنچانے والی نہیں بن سکے گی۔ آخرت کی جو ابدی سب سے زیادہ بے پرواہی اہل مذاہب کے اندر اس وہم نے پیدا کی کہ انہوں نے خیال کیا کہ وہ اللہ کے محبوبوں اور برگزیدہ لوگوں کی اولاد ہیں، اس وجہ سے دوزخ کی آگ ان کو نہیں چھوئے گی۔ یہود اور نصاریٰ اسی فتنہ میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی زیر مطالعہ آیات میں یہ امر خاص توجہ کے لائق ہے کہ برائی کی مثال کے لیے بھی عورتوں ہی کا انتخاب کیا ہے اور بھلائی کی مثال کے لیے بھی انہی کے نام لیے ہیں۔ اس سے مقصود اس عام غلط فہمی کو رفع کرنا ہے کہ تمام برائی کا سرچشمہ عورت ہی ہے۔ اپنی خلقت کے اعتبار سے عورت بھی خیر و شر دونوں صلاحیتوں کی حامل ہے۔ اس کا انحصار اس کے ارادہ اور اختیار کے استعمال پر ہے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 2

یہ سورہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں چند واقعات کی طرف اشارہ کر کے چند اہم مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

- 1- ایک یہ کہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے حدود مقرر کرنے کے اختیارات قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ عام انسان تو درکنار، خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی اس کا کوئی حصہ منتقل نہیں کیا گیا۔
- 2- دوسرے یہ کہ انسانی معاشرہ میں نبی کا مقام انتہائی نازک مقام ہے۔ ایک معمولی سی بات جو کسی دوسرے انسان کی زندگی میں چنداں اہمیت نہیں رکھتی، نبی کی زندگی میں اگر پیش آجائے تو وہ قانون کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کی زندگی پر کڑی نگرانی رکھی گئی ہے کہ ان کا کوئی ادنیٰ اقدام بھی منشاءِ الہی سے ہٹا ہوا نہ ہو۔ ایسا کوئی فعل اگر نبی سے کبھی صادر ہوا ہے تو اس کی اصلاح کر دی گئی ہے تاکہ اسلامی قانون اور اس کے اصول اپنی بالکل صحیح صورت میں نہ صرف خدا کی کتاب بلکہ نبی کے اُسوہ کی صورت میں بھی خدا کے بندوں تک پہنچ جائیں۔
- 3- تیسری بات جو مذکورہ بالا نکتہ سے خود بخود نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک ذرا سی بات پر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹوک دیا گیا اور نہ صرف اس کی اصلاح کی گئی بلکہ اسے ریکارڈ پر بھی لے آیا گیا، تو یہ چیز ہمارے دل میں قطعی طور پر یہ اطمینان پیدا کر دیتی ہے کہ حیاتِ طیبہ میں جو اعمال و افعال اور جو احکام و ہدایات ہمیں اب ملتے ہیں، اور جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی گرفت یا اصلاح ریکارڈ پر موجود نہیں ہے وہ سراسر اللہ کی مرضی سے پوری مطابقت رکھتے ہیں۔

- 4- چوتھی بات یہ ہے کہ جس رسولِ مقدس کی عزت و حرمت کو اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں کے حق میں لازمہ ایمان قرار دیتا ہے اور جن ازواجِ مطہرات کو اللہ تعالیٰ خود اہل ایمان کی ماں قرار دیتا ہے، انہی کو اس نے اس سورہ میں تشبیہ فرمائی ہے اور پھر یہ خفیہ طور پر نہیں کی گئی بلکہ اُس کتاب میں درج کر دی گئی جسے تمام اُمت کو ہمیشہ تلاوت کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ کتاب اللہ میں اس کا ذکر کا منشاء یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور امہات المؤمنین کو اہل ایمان کی نگاہوں میں گرا دینا چاہتا تھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن پاک کی یہ سورہ پڑھ کر کسی مسلمان کے دل سے ان کا احترام اٹھ نہیں گیا۔ اب قرآن میں یہ ذکر لانے کی مصلحت اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اپنے بزرگوں کے احترام کی صحیح حدود سے آشنا کرنا چاہتا ہے۔ نبی کا احترام اس بنا پر نہیں ہے کہ اس سے لغزش کا صدور ناممکن ہے بلکہ اس بنا پر ہے کہ وہ مرضی الہی کا مکمل نمائندہ



ہے۔ اسی طرح سے صحابہ کرامؓ ہوں یا ازواج مطہرات، یہ سب انسان تھے، فرشتے یا فوق البشر نہ تھے۔ ان سے غلطیوں کا صدور ہو سکتا تھا۔ ان کو جو مرتبہ بھی حاصل ہو اس وجہ سے حاصل ہوا کہ اللہ کی رہنمائی اور اللہ کے رسول کی تربیت نے ان کو انسانیت کا بہترین نمونہ بنا دیا تھا۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں صحابہ یا ازواج مطہرات سے بشریت کی بنا پر جب بھی کسی غلطی کا صدور ہوا، تو اس پر ٹوکا گیا۔ ان کی بعض غلطیوں کی اصلاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی جن کا ذکر احادیث میں بکثرت آیا ہے اور بعض غلطیوں کا ذکر قرآن مجید میں کر کے اللہ تعالیٰ نے خود ان کی اصلاح کی تاکہ مسلمان بھی بزرگوں کے احترام کا کوئی ایسا مبالغہ آمیز تصور نہ قائم کر لیں جو انہیں انسانیت کے مقام سے اٹھا کر دیویوں اور دیوتاؤں کے مقام پر پہنچادیں۔

-5-

پانچویں بات جو اس سورہ میں کھول کر بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کا دین بالکل بے لاگ ہے۔ اس میں ہر شخص کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کا وہ اپنے ایمان و اعمال کے لحاظ سے مستحق ہو۔ کسی بڑی سے بڑی ہستی کے ساتھ نسبت بھی اس کے لیے قطعاً نافع نہیں ہے اور کسی بری سے بری ہستی کے ساتھ نسبت بھی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس معاملہ میں تین قسم کی عورتوں کو بطور مثال پیش کیا گیا ہے۔ ایک مثال حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کی ہے۔ انبیاء کی بیویاں ہونا ان کے کچھ کام نہ آیا اور وہ جہنم کی مستحق ہوئیں۔ دوسری مثال فرعون کی بیوی کی ہے، جو اگرچہ ایک بدترین دشمن خدا کی بیوی تھیں لیکن اُس جیسے کافر کی بیوی ہونا بھی ان کے لیے کسی نقصان کا موجب نہیں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت کا مستحق بنا دیا۔ تیسری مثال حضرت مریم کی ہے جنہیں یہ مرتبہ عظیم اس لیے ملا کہ اللہ نے جس شدید آزمائش میں انہیں ڈالنے کا فیصلہ فرمایا تھا اس کے لیے انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور ایک سچی مومنہ کی حیثیت سے وہ سب کچھ برداشت کرنا قبول کر لیا جو اللہ کی مرضی پوری کرنے کے لیے برداشت کرنا ناگزیر تھا۔ تب اللہ نے ان کو سَيِّدَةُ النِّسَاءِ فِي الْجَنَّةِ کے مرتبہ عالی پر سرفراز فرمایا۔

ان امور کے علاوہ ایک اور اہم حقیقت جو اس سورہ سے ہمیں معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف وہی علم نہیں آتا تھا جو قرآن مجید میں درج ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے دوسری باتوں کا علم بھی دیا جاتا تھا جو قرآن میں درج نہیں کیا گیا ہے۔ اس کی صریح دلیل اس سورہ کی آیت 3- ہے۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک زوجہ محترمہ کو بتایا کہ راز فاش کرنے کی خبر ان کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ پورے قرآن مجید میں وہ آیت کہاں ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی تھی۔ اگر ایسی کوئی آیت قرآن میں نہیں ہے تو یہ اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ قرآن کے علاوہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔ اس سے منکرین حدیث کا یہ دعویٰ بالکل باطل ہو جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے سوا اور کوئی وحی نہیں آتی تھی۔

(تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۱۰ تا ۱۴ سے ماخوذ)



6860



6860



6860



6860



6860